ولایت و حکومت

در غَیبت

نام کتاب: ولایت و حکومت در غیبت

موضوع: ولایتِ فقیہ

مصنف: ابو العباس محمد احمد فاطمی

نظر ثانی: سیدہ معصومہ فاطمہ

تدوین: دعائے زہرا

نشرِ اول: نومبر ۲۰۲۰

قیمت: ۳۰۰ روپے

ناشر: قلم کارانِ سر بکف پبلیکیشنز پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

عصرِ الحاد و سیکولرازم میں اسلامِ ناب کی سیاسی تفسیر

کا احیا کرنے والے عظیم و مظلوم مفکرین اور مجاہدین

کے نام

فہرست

تقریظ

بسمہ تعالیٰ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو ہدایت و دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ یہ دین تمام ادیان پہ غلبہ پا سکے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ اس غلبۂ دین کا آغاز پروردگار نے اپنے رسولِ مکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے دستِ اقدس سے شروع کروادیا اور مدینۂ طیبہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا، اہل اسلام نے ۱۰۰۰ سال سے زائد عرصے تک زمین پہ حکومت کی مگر سرمایہ داری کے ظہور اور فروغ کے ساتھ اسلام کی حاکمیت کا سورج مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے غروب ہو گیا اور اس حد تک کہ وہ مکتب جو ۱۴۰۰ سال سے نظامِ اسلامی و الٰہی حاکمیت کو اصول دین کا حصہ مانتا رہا، آج اس کے پیروکاروں کے لیے بھی غَیبتِ کُبریٰ میں نظامِ اسلامی اور ولایت و امامت بعنوانِ نظام ایک مہجور و متروک حقیقت بن کر رہ گی۔ اسی تناظر میں اردو زبان بولنے اور سمجھنے والوں کے لیے جہاں امام خمینیؒ کے وجودِ پُر فیض سے انقلابِ اسلامی کی نہضت کے طفیل حاکمیتِ دینی و نظامِ ولایت ایک امرِ روشن کی طرح واضح ہوا، وہیں کنفیوژن کے بے شمار ٹرانسفار مر بھی موجود تھے اور موجود ہیں، جو کہ اس اہم اور اساسی عنوان پہ دین کا نام لے کر کنفیوژن پھیلانا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ان کی پھیلائی ظلمت کے مقابلِ نسلِ جواں میں سے ایک قلم کار یعنی برادرِ مکرم جناب ابو العباس احمد فاطمی

صاحب کی یہ کاوش ایک جانب امید کا روشن دِیا ہے تو دوسری جانب اس وعدہِ الٰہی کا ایک عکسِ جلی ہے کہ ؎ نورِ خدا پھونکوں سے بوجھایا نہ جائے گا

فاضل مصنف کی اس سے قبل اہم موضوعات پہ ۵ کتب سامنے آچکی ہیں اور یہ کتاب بھی اسی سلسلہِ تبیینِ حق کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ جو کہ میری نگاہ میں نئی نسل کو ایک بار ضرور پڑھنی چاہیے۔ دعاہ کہ خدا اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسلام و مسلمین کے لیے، خصوصیت کے ساتھ نسلِ موجود و آئندہ کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام علیکم

اکبر علی جوادی

مقدمہ

انسان ایک اجتماعی موجود ہے کیونکہ عاطفی، اقتصادی اور ثقافتی ضروریات اسے ایک اجتماعی اور معاشرتی زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں_ گھرانہ، خاندان، قبیلہ، دیہات، شہر، ملک اور قوم وملت تمام اجتماعی زندگی کے مختلف جلوے ہیں اجتماعی زندگی میں تمام افراد کے منافع اور ضروریات ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ بنابریں ایسے موارد بھی آتے ہیں کہ جن کا تعلق پورے معاشرہ کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر فرد اپنے طور پر تنہا ان کے متعلق فیصلہ نہیں کر سکتا۔

مثال کے طور پر اگر ہم ایک قبیلہ کو مد نظر رکھیں تو اگرچہ اس کا ہر فرد اپنے طور پر اپنے کچھ ذاتی مسائل کا فیصلہ کر سکتا ہے اور اپنے ذاتی فیصلے کے مطابق عمل کر سکتا ہے، لیکن کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ جنگ یا صلح جیسے مسائل میں اپنی انفرادی رائے کے مطابقفیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ جنگ یا صلح ایسے مسائل ہیں جو پورے معاشرے کے ساتھ مربوط ہیں نہ کہ انفرادی مسائل کہ معاشرے کا ہر فرد انفرادی طور پر ان کے متعلق فیصلہ کرے اور اپنی ذاتی تشخیص کے مطابق عمل کرے۔

یہ حقیقت ہے کہ چھوٹے بڑے ہر معاشرے میں کچھ اجتماعی مسائل اور مشکلات ہوتی ہیں کہ جن کے حل کرنے کیلئے اجتماعی فیصلوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی حقیقت نے انسان کو" ریاست وحکومت" کے قبول کرنے کی طرف راغب کیا ہے۔

طول تاریخ میں جہاں پر بھی انسانی معاشرہ رہا ہے "ریاست اور حکومت" کا وجود بھی اسکے ہمراہ رہا ہے، ہر معاشرے نے چاہے وہ جس شکل میں بھی ہو۔ اپنے اجتماعی امور کی تدبیر کیلئے ایک فرد یا چند افراد کو رئیس، حاکم، امیر، والی، سلطان اور بادشاہ ایسے مختلف عناوین کے تحت قبول کیا ہے ۔ ہر انسانی معاشرے میں ایک یا چند افراد "سیاسی اقتدار" کے حامل ہوتے ہیں اور اس کے اجتماعی امور کی تدبیر اور اجتماعی زندگی کے مختلف امور کو انجام دینا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اسی تناظر میں حکومت وسیاست اور سیاسی نظام ایک فطری حقیقت ہے، اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اسلام نے بھی اپنے ابتدائی ایام ہی سے حکومتِ نبوی کی صورت میں ایک سیاسی حکومت و نظام قائم کیا اور نفاذِ دین کے لیے حکومتِ اسلامی و نظامِ اسلامی کو لازمی قرار دیا۔ اگرچہ بعد از رحلتِ رسول اللہ (ص) اسلام کی سیاسی تشریح پہ امت میں اختلاف ایجاد ہو گیا، لیکن یہ اختلاف نظریہ حکومت پہ نہیں تھا بلکہ اسکے مصادیق میں تھا کہ کس طرح کا نظام ہونا چاہئے اور حقِ حکومت و حقِ تنصبِ حاکم کس کے پاس ہے۔ لیکن بعد از غیبتِ کبری تشیُع میں یہ موضوع مختلف وجوہات کی بنیاد پہ ثانوی حیثیت اختیارع کر گیا اور عصرِ جدید میں مغربی یلغار کے بعد تشیُع و تسنن دونوں اس نظریے کو تقریباً بھول گے اور طاغوتی نظاموں میں الہی احکامات کے مطابق زندگیاں بسر کرنے کی ناکام و پُر تضاد کوشش کرنے میں لگے رہے، جب کہ اسلام کی شیعی و سنی تشریح میں اگرچہ اختلاف پایا جاتا ہے مگر اس بات میں کوئی اختلاف نہیں تھا

کہ نظام سیاسی کے بغیر نفاذِ دین و پیروی دین ممکن نہیں ہے اور حکومتِ اسلامی کا قیام ہر زمانے میں اساسی ضرورت ہے۔ جب عصرِ جدید میں ولایتِ فقیہ کا پرچم بلند ہوا تو پہلے اسکو بدعتی نظریہ سمجھا گیا جو کہ کم عقلی کا اظہر من الشمس ثبوت تھا پھر اس پہ اشکال وارد کیے جانے لگے اور اسکو علاقوں اور سرزمینوں اور غیر عقلی شرائط کے ساتھ مقید کیا جانے کی کوششیں کی جانے لگیں۔

ان کی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے، اسلام کی سیاسی تفسیر اور ولایتِ فقیہ کے عقلی و نقلی ادلہ کی روشنی میں عصرِ غیبتِ کبریٰ میں ضرورتِ حکومت اور حکومتِ اسلامی کی ممکنہ صورت ولایتِ فقیہ پہ طالبِ علمانہ گزارشات پیش کرنے کی کوشش کی گی ہے۔ امید ہے کہ یہ طالبانِ علم و حقیقت کے لیے ایک نافع کوشش ثابت ہو گی اور اہل علم خواتین و حضرات اپنی اصلاحی تنقیدی آرا سے ضرور نوازیں گے۔

والسلام علیکم

احمد فاطمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیاست:

سیاست" کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے :

"سیاست" یعنی ایک معاشرے کے بڑے بڑے مسائل و مشکلات کے بارے میں فیصلہ کرنا اور انکی تدبیر کرنا۔ یہ سرپرستی اس معاشرے کی مشکلات کو رفع کرنے، مختلف امور کو منظم کرنے، منصوبہ بندی اور اسکے اجراء کو شامل ہے۔ سیاست لفظ" سوس" سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ریاست، پرورش، سزادینا اور رعایا کے امور کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ ابن منظور کہتے ہیں: السوس: الریاسة ،یقال: ساسوہم سوساً ... و ساس الا مرَ سیاسة قام بہ[1]

فیروز آبادی کہتے ہیں: سُستُ الرّعیة سیاسة : امرتہا و نہیتہا ... و سُوّسَ فلانٌ ا مرَ الناس ... صُیّر ملکاً[2]

سیاسی لغت ناموں میں سیاست کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں

الف: انسانی معاشروں پر حکومت کرنے کے فن کو" سیاست" کہتے ہیں

ب: مختلف مسائل کے حل کے بارے میں فیصلہ کرنا

ج: ملکی امور کے انتظام کیلئے حکومت تدابیر کو کام میں لاتی ہے انہیں سیاست کہتے ہیں

---

[1] لسان العرب ج6 ص108

[2] القاموس المحیط ص 710

د:اجتماعی امور کو منظم کرنے کیلئے حکومت جس طاقت کو بروئے کار لاتی ہے سیاست ہے

"سیاست" کے بہت سے دیگر معانی بھی ہیں، سیاسی قدرت کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور اسکی حفاظت اور تقویت کرنا سیاست کہلاتا ہے ۔

سیاست کے فکری اور نظریاتی تعریف: سیاسی طاقت حکومتی ڈھانچہ اور سیاسی حکومت میں مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کا مطالعاتی جائزہ، سیاست کہلائے گا۔

سیاست، سیاسی اقتدار سے متعلقہ ابحاث اور اجتماعی امور کی تدبیر ہمیشہ سے صاحبان فکر کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ افلاطون کی کتاب " جمہوریت"، ارسطو کی کتاب" سیاست" اور ابونصر فارابی کی کتاب "مدینہ فاضلہ" اس بات کی شاہد ہیں کہ عظیم مفکرین کے نزدیک سیاست کے موضوع کو ہمیشہ بڑی سنجیدگی سے لیا گیا ہے۔

انسانی معاشروں کے دن بدن پیچیدہ ہونے اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ بڑھتے ہوئے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تعلقات نے سیاسی ابحاث کو مزید اہمیت کا، حامل بنادیا ہے اور انکی وسعت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

علم وفلسفہِ سیاسیات:

عنوان " سیاست" کے تحت داخل مسائل بہت مختلف اور متنوع ہیں" علم سیاست" ، "سیاسی فلسفہ" ، "سیاسی آئیڈیالوجی" اور "سیاسی تجزیہ" جیسے الفاظ میں سے ہر ایک سیاست کے ساتھ مربوط مختلف امور کی تحقیقات اور مطالعات کی طرف اشارہ ہے۔ بعض مطالعات عملی مباحث سے متعلق ہیں جبکہ بعض کا تعلق نظریاتی پہلو سے ہے۔مثلا ایک ملک کے سیاسی ماہرین اور سیاستدان جاننا چاہتے ہیں کہ ہمسایہ اور دوسرے ممالک سے تعلقات قائم کرنے میں انکا موقف کیا ہونا چاہیے اور عالمی سطح پر بین الاقوامی تعلقات کو کس طرح استوار کریں تو اس کیلئے ان کے پاس عالمی اور بین الاقوامی سطح پر قائم سیاسی اقتدار اور طاقتوں کے متعلق اسی طرح جامع تجزیہ ہونا چاہیئےہ جس طرح قومی سطح پر ان کے لئے علاقہ کی سیاست کے پیچ و خم سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

پس عالمی اور علاقائي حالات سے آگاہ ہونے کے بعد اپنے سیاسی اہداف اور قومی منافع کو متعین کریں اور انتہائي دقت نظر سے طے کریں کہ ان کے دراز مدت اور مختصر مدت مفادات کونسے ہیں اس مرحلے کے بعد اگلے مرحلے میں وہ اپنے سیاسی اہداف کے حصول کیلئے ایک منظم لائحہ عمل تیار کریں اور وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی کریں اور پھر بڑی باریک بینی سے انہیں عملی جامہ

پہنائیں۔ اس قسم کے سیاسی مطالعات " علم سیاست"، "سیاسی تجزیہ و تحلیل" اور" Strategic Studies " کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں اور ان فنون اور شعبوں پر مسلط ہونا اس قسم کے سوالات اور مسائل کے جواب دینے کیلئے مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔

دوسری قسم کے سیاسی سوالات اور مسائل کا تعلق علمی اور نظریاتی پہلو سے ہے، یہ ایک بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتا ہے

اس کے بنیادی سوالات کچھ اس قسم کے ہیں:

انسان کو حکومت کی احتیاج کیوں ہے؟

حکومت کرنا کن افراد کا حق ہے؟

سیاسی اقتدار کے حاملین کی اطاعت کی کیا اہمیت ہے؟

حکمرانوں کے فرائض کیا ہیں؟

حکومت کے اہداف کیا ہونے چاہئیں؟

حکومت کس حد تک عوام کی آزادی کو محدود کرنے کا حق رکھتی ہے؟

کیا حکومت مادی فلاح و بہبود، امن و امان، خوشحالی اور معاشرے کے روحانی ارتقا کی ذمہ دار ہے؟ یا نہیں؟

معاشرہ کی خوشحالی اور خیر و برکت کا معنی و معیار کیا ہے؟

معاشرتی امور کو چلانے اور انکی منصوبہ بندی کرنے میں معاشرتی انصاف کا کیا کردار ہے؟

معاشرتی انصاف اور اقتصادی و انفرادی آزادی کے درمیان کسے ترجیح حاصل ہونی چاہیے؟

اس قسم کے بنیادی سوالات کی تحقیق " فلسفہِ سیاسیات" میں کی جاتی ہے۔

مختلف سیاسی فلسفی مکاتب انہی سوالات کے جوابات کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں۔

یعنی ہر سیاسی مکتب کی بنیاد ایک مخصوص سیاسی فلسفے پر ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر" لبرل ازم" ایک سیاسی مکتب فکر ہے وہ ان سوالات کے ایسے جواب دیتے ہیں جو بعض جہات سے دوسرے سیاسی مکتب فکر مثلا اشتراکیت کی تعلیمات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں ۔ لبرل ازم فردي، اقتصادی اور ثقافتی آزادی کا حامی ہے اور اس نظریے کا قائل ہے کہ معاشرتی انصاف کے بہانے، ذاتی مالکیت اور اقتصادی آزادی پر قدغن نہیں لگایا جاسکتا، حکومت کے اختیارات محدود ہونے چاہیں، اس کا کام صرف رفاہ عامہ ، امن و امان قائم کرنا اورانسانی حقوق کے بنیادی ڈھانچے کی حفاظت کرنا ہے، سعادت ، خوش بختی ، معنویات اور اخلاقیات کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ہے۔ یہ حکومت کے فرائض میں شامل نہیں ہیں، جبکہ سوشلزم کا کہنا ہے کہ معاشرتی

انصاف کا قیام حکومت کی سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری ہے اسی لئے اقتصادی امور حکومت کے کنٹرول میں ہونے چاہیں جبکہ ذاتی مالکیت یا تو بہت محدود ہونی چاہیے یاپھر اسکا سرے سے ہی خاتمہ کردینا چاہیے_یہاں پردو نکات کی وضاحت ضروری ہے۔

علم سیاست اور سیاسی تجزیہ و تحلیل کے ساتھ مربوط بہت سے مسائل ہمیشہ جدید اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں کیونکہ عالمی سطح پر حکومتیں اور سیاسی تعلقات بدلتے رہتے ہیں اقتصادی ، ثقافتی اور سیاسی تبدیلیاں علاقائی اور عالمی سیاست پر اثر انداز ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں سیاسی ماہرین کو ہمیشہ نت نئے سوالات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن سیاسی فلسفے کے متعلقہ مسائل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہ اساسی اور مخصوص مسائل ہوتے ہیں کہ جن سے سیاسی ماہرین دوچار رہتے ہیں۔ ہر سیاسی ماہر جب اپنے مخصوص نظریات کے تحت ان سوالات کا جواب دیتا ہے تو اس سے ایک سیاسی نظریہ یا مکتب تشکیل پاتا ہے اورا سی بنیاد پر ان کی شناخت ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مختلف سیاسی مکاتب میں کوئی وجہ اشتراک نہیں ہے اور سیاسی فلسفہ کے تمام مسائل کے جوابات ایک دوسرے سے بنیادی فرق رکھتے ہیں، ممکن ہے کہ

ایک سیاسی مکتب کی دوسرے سیاسی مکاتب سے علیحد گی اورامتیاز صرف ایسی ہی بعض مباحث میں ہو اور بعض دیگر جہات سے وہ دوسرے سیاسی مکاتب سے اتفاق نظر رکھتا ہو مثلا اشتراکی جمہوریت اور آزاد جمہوریت جو کہ سیاسی نظریات کے عنوان سے دو رقیب مکتب فکر ہیں ، اس نکتہ پر متفق ہیں کہ جمہوریت اور راے عامہ سیاسی حاکمیت کے جواز کی بنیاد ہے اور حکومت و حکمران کا انتخاب عوام کی راے کی بنیاد پر ہونا چاہیے اور ان دو مکاتب میں اختلافی نکتہ یہ ہے کہ پہلا مکتب فکر معاشرتی عدل و انصاف پر زور دیتا ہے اور دوسرا شخصی آزادی و خصوصی مالکیت پر، ایک اشتراکیت کی بات کرتا ہے اور دوسرا انفرادیت کی۔لہذا ملکی یا بین الاقوامی سیاست میں تبدیلی آنے سے یہ سیاسی مکاتب تبدیل نہیں ہوتے۔

وہ نظام جو آج دنیا کی سرزمینوں پہ حکم فرماہے اور سب انسانوں نے اسکو قولاَو فعلاَ قبول کر رکھاہے،جمہوریت،اسکی اساس بھی ایک نظریہ ہے جسکو ہم سیکولرازم سے موسوم کرتے ہیں۔ سیکولرازم سے ہی جمہوریت کاسیاسی مکتب اور نظام وجود میں آیاہے۔ جس میں جمہور اور راے عامہ کی سیاسی حاکمیت بنیاد ہے اور حکومت و حکمران کا انتخاب عوام کی راے کی بنیاد پر ہونا چاہیے اور قانون ان عوامی نمائندوں کے

ذریعے تشکیل پاتا ہے جو کہ عوامی مفادات کی روشنی میں قانون سازی کرتے ہیں۔ یہ نظریہ و نظام آج اگرچہ یورپ و امریکہ میں تو رائج ہے کیونکہ انہوں نے عمداً اپنے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا اور انکا مذہبی نقطہ نظر اپنی بنیاد میں اخلاقی و مابعد الموت کے مسائل سے بحث کرتا ہے اور انسان کی موجود اجتماعی زندگی کے متعلق چند مبہم باتوں کے علاوہ کوئی باقاعدہ سیاسی نظریہ و سیاسی مکتب پیش نہیں کرتا۔ اگرچہ تفکرات، ملکی حالات اور ضروریات کے تحت ہر ملک نے اس میں اپنے تفکرات و نظریات شامل کیے، کہیں یہ اشتراکی جمہوریت میں ڈھالا گیا، تو کہیں آزاد جمہوریت میں۔ جہاں جمہوریت کا جر سومہ کماحقہ کاشت کرنا ممکن نہ تھا وہاں بھی جمہوریت کو کوئی نا کوئی لباس پہنا کر عامۃ الناس کے لیے ایک قابل قبول اور جائز نظام کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گی۔

افسوسناک پہلو:

افسوس صد افسوس کہ عالمِ اسلام میں بھی یہ اسی طرح سے مقبول ہوا جیسا کہ وہاں، جبکہ اسلام ایک کامل و اکمل دین ہے۔ ایک ایسا نظام حیات ہے جو انسان کی تمام تر انفرادی و جتماعی ضروریات کے لیے راہِ حل پیش کرتا ہے۔ اسلام نابِ محمدی کا ایک الٰہی سیاسی فلسفہ و سیاسی مکتب جس کی بنیاد پہ اسلام کا ایک الٰہی سیاسی نظام موجود ہے۔ اسلام کے سیاسی مکتب کے مطابق حق حاکمیت اور حاکم کے انتخاب و انتصاب کا حق اور قانون سازی کا حق فقط اللہ تعالٰی کو حاصل ہے لا حکم الا اللہ۔ جس حق کو اللہ تعالٰی کے منتخب کردہ حکام اللہ کے

نظام (نظامِ امامت) کے ذریعے عوام پہ نافذ کرتے ہیں اور اسلام ناب محمدی کے نظام کے مقابل جتنے بھی نظام وحکام ہیں انکو اسلام و قرآن کی نگاہ میں کوئی جواز حاصل نہیں ہے، اسی لیے قرآن نے ان سب کو طاغوت کہا ہے۔

مگر افسوس کہ آج ایسے مومن و مسلمان پیدا ہوئے ہیں جنکو دو برائیوں میں سے کم برائی کا انتخاب کرنے کا نشہ ہو گیا ہے اور معاشرے میں جنکا وزن فقط ایک ووٹ کی حد تک رہ گیا ہے، جنکا اسلام فقط چند عبادات کی حد تک محدود ہو چکا ہے اور وہ سب جان بوجھ کر یا انجانے میں اسلامِ نابِ محمدی کے نظام اور مکتبِ سیاسی سے ۱۱ ہجری کے بعد سے دور سے دور تر ہوتے چلے گے۔ آج ضرورت ہے کہ امت کی بازگشت اس اساس کی جانب ہو اور طاغوتی نظاموں میں مبتلا ان مریضانِ سیاست کو اس شفاخانہِ الہیہ کا رخ کرنا چاہیے، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی انفرادی و اجتماعی حیات کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

آج تشیعُ و تسنن کے لیے سرزمین پاکستان پہ اسلام ناب محمدی کا سیاسی فلسفہ اور نظامِ اسلامی ایک متروک و مہجور موضوع بن کر رہ گیا ہے، اکثریت نے اسی اسلامی لباس میں موجود جمہوریت و سیکولرازم کے بھڑیئے کو اسلامی نظام سمجھ کر دل و جان سے قبول کر رکھا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ عصرِ حاضر کے لیے دنیا میں موجود دو نظاموں جمہوریت اور امامت و ولایت کا تقابل پیش کیا جائے اور امت مسلمہ کے لیے اس طاغوتِ عصر کی حقیقت کو برملا کیا جائے تا کہ وہ جو باشعور ہیں اور فلا تمنوتن الا و انتم مسلمون پہ

ایمان رکھتے ہیں ان کے سامنے اسلام کے اسی مفلحانہ و جاودانہ نظام کو پیش کیا جائے جو رب العالمین نے تاقیامت کے لیے بطورِ نظام مقرر فرمایا ہے۔

سیکولرازم کا اشکال

سیکولرازم یعنی اجتماعی وسیاسی امور سے ارادتاً دین اور دینی تعلیمات کی علیحدگی اور دینی تعلیمات کو عبادت خانوں اور ذاتی زندگی تک محدود کرنا۔ یہ نظریہ مذہبی آزادی کا پرچار کرتا ہے جو کہ ایک دھوکہ ہے، کیونکہ سیکولرازم کے مطابق پورے معاشرے کو اپنی ذاتی زندگی دین کے مطابق بسر کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ یہ نظریہ اس کے لیے سہولت و آسائش فراہم کرنے کا قائل بھی ہے، مگر کسی انسان کو معاشرتی زندگی اور اجتماعی وسیاسی امور میں دین کو داخل کرنے کی اجازت نہیں، اس نظریے کے مطابق اجتماعی وسیاسی امور عامۃ الناس کی تمناؤں اور ضروریات کے مطابق عوامی نمائندوں کے ذریعے طے پائیں گے۔

سیاست میں دین کی عدم مداخلت پر سیکولرازم نے جو استدلال کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نظام دین و قوانین دینی کا نفاذ عصر حاضر میں ناممکن ہے۔ سیکولرازم دینی حکومت کی تشکیل کی نفی کیلئے اس نکتہ پر اصرار کرتا ہے کہ اجتماعی اور سماجی امور میں نظامِ دین واحکامِ دینی کا نفاذ مشکل ہے اور معاشرہ میں

فقہ اور شریعت کو نافذ نہیں کیا جاسکتا،کیونکہ دینی حکومت کے قیام کی اساس اور بنیاد معاشرے میں دین اور شریعت کے نفاذ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

سیکولرازم کے استدلال کا پہلا نقطہ یہ ہے کہ اجتماعی اور سماجی روابط و تعلقات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ طول تاریخ میں انسان کے اجتماعی اور اقتصادی روابط تبدیل ہوتے رہے ہیں اور اس تبدیلی کا سرچشمہ علمی اور انسانی تجربات کا رشد ہے۔ دیہاتی اور قبائلی معاشرہ میں حاکم سیاسی ،ثقافتی اور اقتصادی روابط ،صنعتی اور نیم صنعتی معاشرہ پر حاکم اجتماعی روابط سے بہت مختلف ہیں۔ بنابریں اجتماعی زندگی کے تحول و تغیر کی بناپر اجتماعی روابط میں تبدیلی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ دین اور اس کی تعلیمات ثابت اور ناقابل تغییر ہیں کیونکہ دین نے ایک خاص زمانہ جو کہ اس کے ظہور کا دور تھا میں انسان سے خطاب کیا ہے اور اس زمانے کو دیکھتے ہوئے ایک مخصوص اجتماع کے حالات اور خاص ماحول کے تحت اس سے سروکار رکھاہے۔[3]

---

[3] اساس حکومۃ الاسلامیہ

اسلام نے ایک خاص زمانہ میں ظہور کیا ہے اور اس طرح نہیں ہے کہ سماجی تحولات کے ساتھ ساتھ وحی الٰہی بھی بدل جائے اور اسلام بھی نیا آجائے۔دین ایک امر ثابت ہے اور سماجی تحولات کے ساتھ اس میں جدّت پیدا نہیں ہو تی اور اس کے اصول و ضوابط اور تعلیمات نئے نہیں ہوجاتے۔ ان نقاط کاوہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دین جو کہ امر ثابت ہے ہر زمانے کے مختلف اجتماعی اور سماجی روابط کو منظم نہیں کرسکتا۔صرف اُن معاشروں میں شریعت کا نفاذ مشکل سے دوچار نہیں ہوتا جو اس کے ظہورکے قریب ہوں کیونکہ اس وقت تک ان معاشروں کے اجتماعی روابط میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی تھی لیکن ان معاشروں میں نظامِ دین کا نفاذ مشکل ہوتاہے، جن کے اجتماعی مسائل نزول وحی کے زمانہ سے مختلف ہیں۔شریعت کے نفاذ کے غیر ممکن ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی اور اجتماعی امور میں دین کی حاکمیت اور نظامِ امامت وولایت کی تشکیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اس استدلال اور اس کے دو اساسی نقاط پر درج ذیل اشکالات وارد ہوتے ہیں:

غیر متغیر سماجی روابط:

(ا) اجتماعی امور اور روابط میں تبدیلیوں کا رونما ہونا ایک حقیقت ہے لیکن یہ سب تبدیلیاں ایک جیسی نہیں ہیں اور یہ دینی نظام واحکام کے نفاذ میں رکاوٹ

نہیں ہیں۔ اس نکتہ کو صحیح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ تمام اجتماعی تغیرات اساسی اور بنیادی نہیں ہیں بلکہ بعض اجتماعی تبدیلیاں صرف ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ہوتی ہیں، بایں معنی کہ گذشتہ دور میں معاشرے میں لوگوں کے درمیان اقتصادی روابط تھے آج بھی اقتصادی روابط موجود ہیں،ان روابط سے صرف صورت تبدیل کی ہے نہ کہ نئے روابط نے ان کی جگہ لی ہے۔ مختلف اجتماعی روابط میں شکل و صورت کی یہ تبدیلی قابل تصور ہے اور اسلام ناب محمدی کے اصولوں کی آفاقیت کا اعجاز یہی ہے کہ مکتبِ محمد و آل محمد کی تعلیمات اس طرح سے ہیں کہ وہ ہر زمانے کے سماجی روابط کے لیے اصول ایجاد کر سکیں اور انکے مسائل کا حل پیش کر سکیں۔

مثلاً تمام معاشروں میں اقتصادی و تجارتی تعلقات، خرید و فروخت، اجارہ ، صلح اور شراکت جیسے روابط اور معاملات کی صورت میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں ۔ ان کی شکل و صورت میں تبدیلی آجاتی ہے لیکن اصل حقیقت نہیں بدلی۔اگر ماضی میں خرید و فروخت ،اجارہ اور شراکت کی چند محدود صورتیں تھیں تو آج انکی بہت سی جدید وجود میں آچکی ہیں۔ مثلاً ماضی میں حصص کا کاروبار کرنے والی اور مشترکہ سرمایہ کی بڑی بڑی کمپنیاں نہیں تھیں۔

اسلام نے ان معاملات کی اصل حقیقت کے احکام مقرر کر دیئے ہیں۔ تجارت ، شراکت اور اجارہ کے متعلق اسلام ناب محمدی کے احکام ان تمام نئی صورتوں اور اقسام کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں کیونکہ یہ احکام اصل حقیقت کے متعلق ہیں نہ کہ ان کی کسی مخصوص شکل و صورت کے متعلق ہیں۔

اسی طرح اسلام نے بعض اقتصادی معاملات کو ناجائز قرار دیا ہے۔ آج اگر وہ نئی طرز یہ تشکیل پائیں تب بھی اسلام کیلئے ناقابل قبول ہیں مثلاً سودی کاروبار اور لین دین اسلام میں حرام ہیں۔ آج نئے طرز کے سودی معاملات موجود ہیں جو ماضی میں نہیں تھے۔ اگر تجزیہ و تحلیل کرتے وقت فقیہ دین کو معلوم ہو جائے کہ یہ سودی معاملہ ہے تو وہ اس کی حرمت اور بطلان کا حکم لگا دے گا۔اس نئے مورد میں بھی سود والا حکم لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی لہذا اقتصادی روابط و معاملات میں تغیر و تبدل شرعی احکام کے منطبق ہونے میں رکاوٹ نہیں بنتا ۔

مسائل مستحدثہ:

(۲) بعض اجتماعی تحولات، ایسے مسائل کو جنم دیتے ہیں جو حقیقت اور شکل و صورت کے لحاظ سے بالکل نئے ہوتے ہیں کہ جنہیں مسائل مستحدثہ کہتے ہیں اس قسم کے مسائل کا حل بھی شریعت کے پاس موجود ہے۔ پس سیکولرازم

کے استدلال کا دوسرا نقطہ کہ 'دین ثابت ہے اور تغیر پذیر امور پر منطبق ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا درست نہیں ہے کیونکہ دین اگرچہ ثابت ہے اور معاشرتی تحولات کے ساتھ ساتھ تبدیل نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود اسلام ناب محمدی میں ایسے قوانین و اصول موجود ہیں جن کی وجہ سے ہر زمانہ کے مسائل مستحدثہ پر منطبق ہونے اور ان کو حل کرنے کی قدرت و صلاحیت موجود ہے اور اس میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آتی ہے۔

الف۔ مکتب اہل بیتؑ میں بابِ اجتہاد دورِ غیبتِ معصومؑ میں کھلا ہے بایں معنی کہ فقیہ اور مجتہد کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ فقہی منابع میں موجود مسائل کے احکام کا استنباط کرے بلکہ وہ فقہی اصول و مبانی کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید مسائل کے احکام کے استخراج کیلئے بھی کوشش کرسکتا ہے ۔

ب۔ شرط کی مشروعیت اور اس کی پابندی کا لازمی ہونا فقہ کے بعض شرائط اور جدید مسائل کے ساتھ مطابقت کی راہ ہموار کرتا ہے کیونکہ بہت سے نئے عقلائی معاملات کو شرط اور اس کی پابندی کے لزوم کے عنوان سے جواز بخشا جاسکتاہے۔ مثلاً عالمی تجارت کے قوانین ، بحری قوانین، قوانین حق ایجاد ، فضائی راستوں اور خلائی حدود کے قوانین سب نئے امور اور مسائل ہیں کہ جن کے متعلق اسلامی فقہ میں واضح احکام موجود نہیں ہیں لیکن اسلامی نظام اپنے

اصولوں کے مطابق قرآن و سنت و سیرت و عقل کی روشنی میں ان مسائل کا جواب مہیا کرتا ہے۔

ج۔ نظامِ اسلامی کی تشکیل کی صورت میں زمانہ حضورِ معصوم میں امام منصوص من اللہ اور زمانہ غیبتِ امامِ معصومؑ میں **جامع الشرائط ولی فقیہ** (زمانہ غیبتِ امامِ معصومؑ میں حاکمِ اسلامی) کا حکم عصرِ حاضر کے تقاضوں کے ساتھ فقہ کی مطابقت کے اہم ترین اسباب میں سے ہے نئے امور کہ جن کے متعلق مخصوص فقہی حکم موجود نہیں ہے میں امام المسلمین (امام معصومؑ یا ولی فقیہ) حکومتی حکم کے تحت ان کی شرعی حیثیت کا تعین کرتا ہے۔

غیبت کبری میں جب اہل ایمان نے نظامِ اسلامی سے غفلت برتی تو طواغیت نے اپنے شیطانی نظام یعنی نظامِ جمہوریت کو اسلامی ملمع کاری کر کے مسلمانوں میں رائج کر دیا اور شیعہ و سنی سب نے ھ اس کو الٰہی نظام سمجھ کر مکمل تقدس کے ساتھ قبول کر لیا۔

جمہوریت

جمہوریت کی تعریف:

جمہوریت کے لغوی معنی لوگوں کی حکمرانی Rule of the People ہیں۔

لوگوں کی ''اکثریت کی بات ماننا'' یعنی ''اکثریت کی اطاعت ہے۔'' جمہوریت

ایک ایسی حکومت ہوتی ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر پورے معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں"۔[4]

Greek: δημοκρατία, dēmokratiā, from dēmos)
("people' and kratos 'rule

جمہوریت" ڈیموکراٹک " dēmokratiā " کے لفظی معنی؛ لوگوں کی حکومت ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ معاشرہ کے افراد بھی قانون گذاری اور اجرائے قانون میں اہم کردار رکھتے ہیں اور کوئی دوسرا قانون گذاری اور اجرائے قانون میں حق دخالت نہیں رکھتا۔

سابق امریکی صدر کا یہ قول جو کہ جمہوریت کا نعرہ ہے :

"عوام کی حاکمیت ، عوام کے ذریعے ، عوام پر"جمہوریت کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق پر جمہوریت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے پانچ صدی پہلے یونان کے پائے تخت "آٹن" میں یہ نظریہ وجود میں آیا اور کچھ مدت کے لئے یہ نظریہ اجراء کیا گیا اس طرح کہ تمام لوگ سوائے غلاموں اور ۲0سال سے کم عمر والوں کے سبھی لوگ سیاسی او راجتماعی مسائل میں براہ راست دخالت کرتے تھے. جس وقت

---

[4] یونانی مفکر ہیروڈوٹس

کوئی ۲۰ سال کا ہو جاتا تھا تو اپنے شہر کے سیاسی کاموں میں دخالت کر سکتا تھا.
البتہ کسی پر ضروری نہیں تھا بلکہ یہ لوگ آزاد تھے. اس زمانہ میں لوگ کسی
بڑے میدان میں جمع ہوتے تھے اور اپنے شہر کے بارے میں نظریات پیش
کرتے تھے، بحث وگفتگو ہوتی تھی اور اسی کے نتیجہ میں تصمیم گیری ہوتی تھی
اور انہیں پر عمل ہوتا تھا،ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی خاص شخص یا خاص گروہ
حکومت کے لئے معین ہوتا تھا، بلکہ خود افراد براہ راست اجتماعی وسیاسی مسائل
میں دخالت کرتے تھے۔

اس طرز فکر کو جمہوریت یا لوگوں کی حکومت کا نام دیا جاتا تھا، حکومت کا یہ
انداز ایک مدت تک یونان کے پائے تخت آٹن میں چلتا رہا، لیکن بڑے بڑے
دانشمند اور فلاسفہ حضرات نے اس نظریہ کی بھر پور مخالفت کی اور اس کو
برے نام سے یاد کیا کرتے ،یعنی اس کو جہال(جمع جاہل) کی حکومت کہتے تھے
ادھر عملی طور پر بھی اس جمہوری حکومت کے برے نتائج سامنے آئے ، اسی
وجہ سے حکومت کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ سکندر اعظم کے دور میں 400 قبل مسیح
یونانی دانشوروں کے مطابق Sebastian اور Sabaracae کی ریاستیں جو
موجودہ پاکستا ن اور افغانستان ہیں ،یہاں بھی جمہوری حکومت تھی۔۵ صدی قبل
مسیح میں Greece میں بھی کونسل اور اسمبلی کا تصور ملتاہے۔پنچائیت، جرمن

قبائلی نظام، فرینکش کسٹم آف مارچ فیلڈ، آل تھنگ آف پارلیمنٹ آئس لینڈ ، توتھا سسٹم آف آئر لینڈ ، قریش کا دارالندوہ وغیرہ جمہوری اداروں کی ابتدائی شکلیں تھیں۔

طبیعی ہے کہ بڑے بڑے ممالک اور کثیر آبادی والے شہروں میں یہ طریقہ کار مشکل تھا کیونکہ ممکن نہ تھا کہ ہمیشہ اجتماعی مسائل میں تمام لوگ براہ راست دخالت رکھیں . چھوٹے شہروں میں یہ انداز کچھ مدت کے لئے ممکن ہے، لیکن لاکھوں والے شہروں میں کس طرح ممکن ہے کہ روز مرّہ کے کاموں میں سب مل کر کوئی فیصلہ لیں ؟ بہر حال یہ انداز ختم ہوگیا ، یہاں تک کہ "نشاۃ ثانیہ یورپ" کے زمانہ میں ڈیموکراٹک کی ایک دوسری تصویر پیش کی گئی، سیکولرازم کے نظریے کی بنیاد پہ نظام جمہوریت کی جدید اور موجودہ شکل لبرل ڈیموکریسی 200سال قبل انقلابِ فرانس کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے ۔1265 ء میں انگلستان کی پہلی انتخابی پارلیمنٹ کی صورت میں "کامل جمہوریت" وجود میں آئی۔1517 ء میں مارٹن لوتھرنے یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور اصلاح کے نام پر اپنے مقالے چرچ کے دروازے نصب کرکے چرچ کی سیاسی حاکمیت سے آزادی کا اعلان کردیا۔ یہی نظریہ 1688ءکی "انگلش سول وار" کا پیش خیمہ ثابت ہوا،جبکہ "سینٹ" کے لیڈر کروم ویل نے انگلستان کے بادشاہ ہنری اول کو

شکست سے کر موت کی سزا سنا دی اور مطلق بادشاہت کا خاتمہ اور جمہوری دور کا آغاز ہوا۔[5] وہ اس طرح کہ لوگوں کے کچھ نمائندے حکومت کے کاموں کے لئے منتخب ہوں ، اور وہ سبھی لوگوں کی نمائندگی میں حکومت کریں ؛ کیونکہ لوگوں کی براہ راست دخالت ممکن نہ تھی. اس کے بعد سے اس نظریہ کے بہت زیادہ حامی پائے جانے لگے اور بعض ممالک میں اس طرح کی حکومت رائج ہوگئی، یہاں تک کہ انیسویں صدی میں تقریباًیورپ اور دوسرے ممالک میں اس طرح کی حکومت لوگوں میں مقبول ہوگئی اور اسی طرز پر حکومتیں بننے لگیں۔

اس میں تمام مذاہب برابر قرار پائے،جس کی رو سے آزادیِ مذہب کا نظریہ سامنے آیاجو کہ تمام مذاہب سے آزادی یعنی سیکولرازم کا باعث بنا۔کلیسا اور ریاست میں جدائی ہوگئی ، بینک آف انگلینڈ کاقیام عمل میں آیاجس کے ذریعے سرمایہ دارنہ نظام کی بنیاد رکھی گئی۔سیاست وریاست جاگیرداروں سے سرمایہ داروں میں منتقل ہوگئی۔

---

[5] Glorious Revolution

1789ء انقلابِ فرانس جس کو "جدید جمہوریت" کی بنیاد قرار دیا جاتاہے۔یہ والٹیئر (1694-1778) Voltaire اور روسل (1712-1778) Russell کے فلسفوں اور نظریات کا نتیجہ تھا جن کو آج انسانی تاریخ کے عظیم مفکرین کے طور پر پیش کیاجاتا ہے۔ ان کے سیاسی تفکرات میں یہ بات شامل تھی کہ "مذہب" پر اجتماعی حیات میں عمل کرنا فضول ہے، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اس جدید طاغوتی سیاسی مکتب اور نظام کو 1900ء انقلابِ فرانس کے 100 سال تک بقیہ دنیا میں کوئی خاص پذیرائی حاصل نہیں ہوئی اور 1900ء تک کل تین ہی ممالک یعنی امریکہ، برطانیہ اور فرانس ان جمہوری اصولوں پر قائم تھے۔"جمہوریت" کو پہلی جنگ عظیم اور خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور خصوصاً جنگ عظیم دوم کے بعد فروغ ملا۔ ہمیشہ جنگوں اور خانۂ جنگی کے بعد جمہوریت نافذ ہوئی۔

جیسے جنگ عظیم اول کے بعد آسٹریا، ہنگری اور ترکی میں، جنگ عظیم دوم کے بعد جرمنی اور جاپان میں۔

"کلو نائیزیشن" کے بعد ہندوستان او ر پاکستان میں، اقتصادی بحرانوں کے بعد روس اور ایسٹ یورپ میں۔اس جمہوریت کو فروغ دینے کے لئے ہمیشہ سے ہی

مذہب اباحیت ،دین کے منکر ،سیاست اور دین کو جدا کرنے والے اور سرمایہ داری کو فروغ دینے والے بنے۔

اجزائے ترکیبی:

عصر حاضر میں جمہوریت زدہ اہل ایمان کی بیداری کے لیے یہ جاننا لازم ہے کہ یہ نظام کن عناصر کے باہمی تعامل سے وجود میں آتاہے:

امریکی سیاسی سائنس دان لیری ڈائمنڈ کے مطابق ، جمہوریت چار اہم عناصر پر مشتمل ہے:

آزاد انتخابات کے ذریعے حکومت کا انتخاب

شہریوں کی حیثیت سے سیاست اور شہری زندگی میں لوگوں کی فعال شرکت

تمام شہریوں کے یکساں حقوق

عوامی نمائندوں کے بنائے گے قانون کی حکمرانی[6]

عناصرِ ترکیبی:

---

[6] "What is Democracy"

ریاست: لبرل ڈیموکریسی کے نظریہ کے تحت موجودہ "مغربی قومیت" کے تصور سامنے آیا۔ چنانچہ ایک حکومت، سیاسی آزادی اور خودارادیت کے ذریعے خود مختاری(Sovereignty) کی تشکیل ہوئی اور پھر مغربی قومیت اور خود مختاری سے مل کر قوم کا تصور بنا۔ اسی طرح مارکس ازم نظریہ اشتراکیت اور سرمایہ داری نے طبقاتی کشمکشکے نظریات دیئے اور اس نظریہ کے تحت "قومیت" اور "طبقاتی کشمکش" کے باہمی تعامل سے "وطن" کا تصور سامنے آیا۔

جب کہ اس کے مقابل اسلام کا اپنا ایک ریاستی و قومیت کا نظریہ ہے۔

حقِ حکومت یا اقتدارِ اعلیٰ:

اس کے برعکس اسلام میں نظام امامت و ولایت کے تحت قانون سازی اور انتخابِ حاکم (امام و ولی) کا حق صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہی "اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ" ہے اور پوری انسانیت اسی کی محکوم ہے۔ ﴿اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾

حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کا ہے۔[7]

﴿وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا﴾

اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنے حکم کے اختیار میں کسی کو شریک کرتا ہے۔[8]

---

[7] سورۃ یوسف:۴۰

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

حکمران ہے اک وہی باقی بتانِ آذری[9]

اسی طرح اسلامی حکومت میں امام اللہ کا نائب ہوتا ہے اور وہ قرآن وسنت کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ آج کا جمہوری نظام جو دراصل "طاغوتی نظام" ہے ،اس میں اس بات کی کوئی قید نہیں کہ حاکم کون بناتا ہے اور قانون سازی کرنے والے کون ہیں ؟؟ بس اصول ایک ہے ،وہ یہ کہ عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کی اکثریت نے یہ قانون پاس کیا ہے!!

انتخابات: نظام جمہوریت کا ایک بنیادی جز "آزاد انتخاب" کا اصول ہے جس میں عوام اپنے حقِ حکومت کے تحت اپنے لیے نمائندوں کو انتخاب کرتے ہیں، جو انکی نمائندگی میں حکومت کریں گے۔

تصور نمائندگی: نظام جمہوریت کے ایک بنیادی عنصر اہل لوگوں کو اہمیت دینے کے بجائے صرف اپنے لوگوں کے حق میں فیصلہ دینا ہے چاہے وہ کسی بھی کردار اور شخصیت کا حامل ہو۔

---

[8] سورۃ کہف :۲۶

[9] کلیاتِ اقبالؒ

مذہب: نظام جمہوریت میں تمام عقائد کے ماننے والوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تبلیغ و ترویج صرف مذہب یعنی فرد کے انفرادی معاملات کی حد تک ہو۔

دین و سیاست کی جدائی: نظام جمہوریت کا ایک اہم جزمیں یہ ہے کہ سیاست کا مذیب سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔

آزادی: جمہوریت تمام انسانوں کو یکساں آزادی فراہم کرتی ہے اور ان پر سے تمام حدود و قیود کو برطرف کر دیتی ہے سوائے ان حدود کے جو خود جمہوری نظام کے تحفظ کے لیے قائم کی گی ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دین کی سماج میں مداخلت پر مکمل پابندی بھی عائد کرتی ہے۔ آزادی کا تصور نظم و ضبط کے تصور سے متصادم ہے، دوسرے لفظوں میں وہ ایک متعیّن طرزِ حیات کی نفی کرتا ہے۔جمہوری تصوّرِ مساوات کی وضاحت میں ارسطو نے پیرانڈر کی رائے نقل کی ہے جو امبریسیا کا ایک حکمراں تھا۔جب تھراسائی بولس نے پیرانڈر سے مشورہ کے طور پر پوچھا کہ اس کی ریاست میں ممتاز افراد نے جو شور برپا کر رکھا ہے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟ تو اس نے جواب میں ایک لفظ نہیں کہا بلکہ اس کے سامنے میدان میں غلّے کی جو فصل کھڑی تھی اس کے ان خوشوں کے سر اس نے کاٹ لیے جو دوسرے خوشوں سے نمایاں تھے۔اس سے تھراسائی بولس نے یہ سمجھا کہ

اسے اپنی ریاست کے ممتاز افراد کے سر کاٹ لینے چاہئیں۔ارسطو اصولی حیثیت سے آزادی کا حامی تھا، لیکن مطلق آزادی کے تصور کا مخالف تھا۔

سیاسی مساوات: عام شہری کے سیاسی حقوق مساوی ہوتے ہیں، جیسے عورت و مرد اور مسلم و/غیر مسلم کے سیاسی حقوق یکساں قرار پاتے ہیں۔جبکہ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ"O" اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

اکثریت: نظام جمہوریت کا سب سے بنیادی عنصر "اکثریت کی اطاعت" ہے جس پر اس کی نظام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔دراصل جمہوری نظام کا خاصہ یہ ہے کہ اس کفریہ نظام میں عوام کی غالب اکثریت کی رائے کو معیارِ حق تسلیم کیا گیا ہے یعنی عوام کی اکثریت کی جو رائے ہے وہی حق ہے۔اس کے برعکس قرآن نے واضح طور پر ااس حقیقت کو واضح کردیا کہ:

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

اور(اے نبی ﷺ) آپ اگر کہا مانیں گے اس اکثریت کا جو زمین میں بستی ہے تو وہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے سے ہٹا دیں گے۔[10]

جمہوریت ایک غیر فطری نظام:

---

[10] سورۃ الاعراف:۱۱۶

(۱) موجودہ نظام سیاست کی بنیاد ہی اس غیر فطری تصور پر قائم ہے کہ ایک انسان کو دوسرے پر یا سب سے بڑی جماعت کو چھوٹی جماعت پر حکمرانی کا حق حاصل ہو، یہی وہ بنیادی فرق ہے جو انسانی معاشرہ کے تمام مفاسد کی جڑ ہے۔ انسانی فطرت اس سے اُبا کرتی ہے کہ وہ اپنی جنس کے افراد کی غلامی اختیار کرے، خواہ یہ حکمرانی تسلط شخصی و استبداد ذاتی کی شکل میں ہو یا جمہوریت کے روپ میں۔

(۲) ایک صالح اور مہذب حکومت وہی ہوسکتی ہے، جس کی بنیاد اخلاقی اور مابعد الطبیعی تصورات پر قائم ہو؛ کیوں کہ یہی چیز حیات انسانی کے لئے اصل روح کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی سے زندگی کے منتشر اجزاء میں ربط پیدا ہوسکتا ہے اور عالم گیر اضطراب و بے چینی کو دور کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ دیگر کسی نظام کے ذریعہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا؛ چونکہ دنیا کے سیاسی نظاموں میں اخلاقی اقدار کو کوئی جگہ نہیں ملی ہے؛ اس لیے موجودہ جمہوریت میں منتخب ہونے والے نمائندوں کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہیں اور آج نمائندگی کا اہل اس شخص کو تصور کیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ زمانہ ساز ڈپلومیٹک، لسّان اور چرب زبان ہو، گو اس کے اخلاق و کردار کتنے ہی گرے

ہوئے ہوں۔ظاہر ہے کہ ایسے نمائندوں سے انسانیت کے اہم مسائل حل نہیں ہوسکتے۔

کہ از مغز دو صد خر، فکر انسانی نمی آید

(۳) جمہوری آئین کو وطنیت و قومیت کے دائرے میں محدود کردیا گیا ہے، اسے ہمہ گیر و آفاقی حیثیت حاصل نہیں ہے

(۴) موجودہ جمہوریت کا دارومدار جماعتی طرز فکر، جماعتی کردار اور جماعتی نظریۂ سیاست پر ہے، ملک میں اگر دو یا دو سے زائد سیاسی جماعتیں ہیں تو ہر جماعت کا نمائندہ اپنے مخصوص جماعتی طرز پر سوچتا ہے اور جماعت سے وفاداری یا عصبیت کی بنیاد پر ہر بات میں اسی کی حمایت کرتا ہے، خواہ وہ بات کتنی ہی غلط اور غیر منصفانہ کیوں نہ ہو؛ اس لیے کہ ہر جماعت کا اپنا ایک نصب العین ہوتا ہے۔پارٹی کے ہر رکن کو جائز یا ناجائز ہر اعتبار سے ہر محاذ پر اور ہر راہ پر اسی کی منہ بھرائی کرنی پڑتی ہے۔

(۵) اس طرز حکومت میں اتھارٹی ایک مخصوص طبقے کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور مختلف جماعتوں میں جس کی اکثریت ہوتی ہے وہی با اقتدار ہوکر زمام کار سنبھالتی ہے۔آئین کی رو سے اکثریت کا ہر فیصلہ جائز تصور کیا جاتا ہے خواہ وہ

کتنا ہی بے رحمانہ اور ظالمانہ ہو اور وہ جائز یا ناجائز ہر طریقے سے اقلیتوں پر اپنا تسلط جمائے رکھتی ہے۔

(٦) موجودہ نظام جمہوریت میں نمائندگی کے لیے افراد اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، جس کا حریت عامہ پر نہایت خطرناک اور غلط اثر پڑتا ہے، ان میں سے ہر شخص ترغیب و ترہیب کے ذرائع اختیار کرتا ہے اور بسا اوقات عوام خوف یا طمع کی وجہ سے رائے دہی پر مجبور ہوتے ہیں، اس طرح عوام کی آزادیٔ فکر کو نقصان پہنچتا ہے اور وہ صحیح نمائندہ منتخب نہیں کرپاتے ہیں۔

(٧) نمائندگی کی طرح، رائے دہندگی کے لئے بھی کوئی اخلاقی معیار مقرر نہیں؛ بلکہ اس کا معیار ٹیکس اور لگان کی حد تک محدود رہتا ہے اور ہر جماعت اپنی نمائندگی کے لیے ایسے شخص کو منتخب کرتی ہے جو اس کے مفاد اور زاویۂ نظر کی رہبری کا فریضہ انجام دے خواہ وہ کتنا ہی غلط ہو اور زیادہ سے زیادہ اپنی جماعت کی ہمنوائی کرنے والا شخص ہی منتخب ہوتا ہے۔کتنا بڑا ظلم ہے کہ تعلیمی، تجارتی اور معالجاتی امور میں صداقت و دیانت داری کا امتحان لیا جاتا ہے؛ مگر جہاں پوری قوم کے نفع و ضرر کا سوال ہے وہاں نمائندگی کے لئے نہ کوئی اخلاقی معیار مقرر ہے اور نہ رائے دہندگی کے لیے وقار پرکھنے کا کوئی ذریعہ۔

(۸) موجودہ طریق انتخاب سے منتخب ہونے والے شخص کو ایک مدت تک کے لیے بالکلیہ آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور رائے دہندگان کو اس کے عزل و برطرفی کا کوئی اختیار نہیں، گویا وہ طوعاً و کرہاً اتنی مدت تک اس کی قیادت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں خواہ وہ اس کا اہل نہ رہ گیا ہو۔اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عوام سے نمائندہ اسی وقت تک ربط و تعلق اور میل جول برقرار رکھتا ہے جب تک وہ ان سے ووٹ حاصل کرتا رہتا ہے، منتخب ہونے کے بعد وہ ہر طرح مطمئن ہوگیا اور رائے دہندگان کی خواہشات کا مطلقاً پاس لحاظ نہں ہوتا ہے۔

نظام جمہوریت دین کی نفی نہیں کرتا:

نظام جمہوریت دین کی نفی نہیں کرتا لیکن سیاسی واجتماعی مسائل میں دین کی دخالت کو قبول نہیں کرتے اور اس چیز کی اجازت نہیں ہے کہ قانون کے جاری کرنے والے قوانین کو جاری کرتے وقت دین کی کوئی بات کریں اور کوئی بھی طریقہ کار دینی احکام کی بناپر نہ ہو.

درحقیقت ڈیموکریسی کا یہ طریقہ "سیکولر" نظام کی بنیاد پر ہے جن کا نظریہ یہ ہے کہ سیاسی واجتماعی مسائل سے دین کو بالکل جدا اور الگ ہونا چاہئے. البتہ ہوسکتا ہے کہ خود قانون گذار یا قوانین کے جاری کرنے والے افراد متدین

اور دیندار ہوسکتے ہیں کہ ہر روز اپنی عبادت گاہ میں جائیں اور وہاں پرستش ونذر ونیاز کریں۔ ممکن ہے یہ لوگ دینی انجمنوں کے ممبر بھی ہوں اور حکومتی کاموں کے علاوہ ایک معمولی انسان کے طرح دینی کاموں میں بھی مشغول رہیں . لیکن حکومت کے کاموں میں چاہے قانون گذاری شعبہ ہویا شعبہ اجراء قوانین دین کی کوئی بات نہ کریں۔

اگر آپ سنیں کہ مثلاً "فرانس" میں جو آزادی اور جمہوریت کا گہوارہ مانا جاتا ہے ایک باحجاب لڑکی کو کالج اور یونیورسٹی میں جانے سے روکا جاتا ہے ، تو اس کی وجہ یہی نظام جمہوریت ہے جس میں دینی کاموں سے روکنا اس کا ایک وظیفہ ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری حکومت ایک لبرل حکومت ہے ، لہذا دین کی کوئی علامت ہمارے کسی بھی سرکاری شعبوں میں نہیں ہونا چاہئے۔

جمہوریت کے مطابق اگر کچھ لوگ دیندار ہوں اور چاہیں کہ ادارہ جات میں دینی آداب ورسوم پر عمل کریں ، لوگ ہر جگہ حتی علمی درسگاہوں اور وزارتخانوں او ردوسرے ادارجات میں لباس پہننے میں آزاد ہوچاہے مکمل باحیا لباس پہنیں یا مکمل برہنہ ہوجائیں۔ اگر لوگوں کی اکثریت دیندار ہے او راسی دین کی وجہ سے کوئی خاص قسم کا لباس پہننا چاہیں یا عباست خانوں یاگھروں پہ دینی اجتماعات کرنا چاہیں ، تو وہ کرسکتے ہیں۔ وزارتخانوں ، یونیورسٹیوں اور دوسرے

اداروں میں ایک حصہ وقت عبادت پرستش کرنے کے لیے بنایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ جس وقت لوگوں کی مرضی سے یہ قانون بنایا گیاہو، کیونکہ خود لوگوں نے اس قانون کو بنایا ہے اور خود ہی جاری کرتے ہیں ، لیکن اس ملک کا نظام وہاں کے قوانین اور وہاں کے اجتماعی اداروں کے اصول، قانون، نظام اور معاشرے کے دیگر اجماعی وسیاسی مسائل میں دینی رجحان نہیں ہونا چاہئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت کے یہ معنی سوفی صد دین کے مخالف ہیں اور جمہوری حکومتوں اور جمہوری نظام کو بے دینوں کی ڈکٹیٹرشپ کہنا مناسب ہے، کیونکہ یہ لوگ جمہوریت کے نام پر معاشرہ میں دینی اعتقادات اور مذہبی امور کو انجام دینے کی اجازت نہیں دیتے، اور ریاستی سطح پہ دینی اصولوں کے نفاذ کوممنوع قرار دیتے ہیں۔ ڈکٹیٹرشپ کی سخت شکل سے نکالنے کے لئے اور اس کی جگہ جمہوریت کی نرم وملائم شکل پیش کرنے کے لئے ایک فلسفہ تراشی شروع کی ،تاکہ دینداروں کے اعتراضات کا مقابلہ نہ کرنا پڑے، اور ان کے غصہ کو کم کرسکیں ،اسی وجہ سے حکومتی دفاتر میں دینی نشانیاں نہ ہونے کی توجیہ اور وضاحت کرتے ہیں اور فلسفہ کا راہ حل پیش کرتے ہیں کہ تمام انسان

انسانیت میں برابر ہیں اور ان میں کوئی درجہ بندی نہیں ہے اور ہمارے پاس درجہ اول یا درجہ دوم کے انسان نہیں ہیں ۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس   جب ذرا آدم ہوا خود شناس و خود نگر[11]

ارکانِ جمہوریت آئینہِ اسلام میں:

اس نئے دین یعنی نظامِ زندگی میں جس کے فتنے میں اکثر لوگ بلکہ اکثر مسلمان مبتلا ہیں۔"جمہوریت" ملت توحید سے الگ ایک مستقل دین اور صراط مستقیم سے الگ ایک مستقل راستہ ہے،جس کے دروازے پر شیطان بیٹھاہےجو کہ جہنم کی طرف داعی ہے۔لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اہل ایمان اس سے اجتناب کریں اور اس سے اجتناب کی دعوت دیں مومنوں کی یاد دہانی، غافلوں کی بیداری ،ضدی سرکشوں پر اقامت حجت اور رب العالمین کے ہاں عذر خواہی کے لئے۔کیونکہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[12]

اور جو اسلام کے سوا کوئی اوردین چاہے گا وہ اس سے کبھی قبول نہ کیاجائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا"۔

دین اور الٰہ کا مفہوم

---

[11] علامہ اقبالؒ

[12] آل عمران:۸۵

اجتماعی زندگی میں ''دین''اس نظام تمدن اور قانون کو کہتے ہیں جو کسی قوم میں رائج ہو'جس پر اس کی سیاست ومعیشت اور تمدن استوار ہو اورجس پر اس کی عدالتوں میں فیصلے کئے جاتے ہوں۔یہ اگر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر قائم ہو تو اس قوم کا ''اسلام''ہے ۔اگر ایسا نہ ہو تو وہ ''دین الملک''ہے یا دین جمہور 'ہے اسلام نہیں۔

{مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ}[13] کہہ کر قرآن نے مصر کے شاہی نظام کو بادشاہ کا دین قرار دیا ہے۔ چنانچہ دین صرف وہ نہیں ہوتا جو کسی قوم کے مذہب اور دھرم کی کتابوں کے اندر بند پڑا ہو بلکہ قرآن کی رو سے کسی ملک کا دین دراصل اس ملک کا نظام ہوتا ہے۔

الہ کا درست مفہوم[14] :

''اللہ الہ ہے کا معنی کیا جاتا ہے کہ اللہ معبود ہے، جسکی عبادت کی جائے اور عبادت کیا ہے پوجا پاٹ، یعنی ہم کو یہ بتایا گیا ہے کہ سارا مسئلہ پوجا پاٹ کا ہے، پرستش کا ہے، اب بس دیکھنا یہ ہے کہ کون سا انسان کس کی پرستش و پوجا کرتا ہے، اللہ کی کرتا ہے یا بتوں کی کرتا ہے۔ ساری بات گمادی رسوماتِ پرستش کے ارد گرد، الہ کا معنی معبود کیا اور عبادت

---

[13]سورہ یوسف (آیت نمبر ۷۶)

[14]استاد محترم سید جواد نقوی، خطبات / رہبر معظم سید علی خامنہ ای، توحید پہ چھ تقریریں

کا معنی پوجا و پرستش کر دیا یعنی کل کا کل دین پرستشی رسومات کو بجالانا ہے۔ کیا اللہ کو صرف پوجا پاٹ چاہیئے؟ مشکل یہیں پہ ہے۔ مسلمان کون ہے؟ غیر مسلم کون ہے؟ پوجا ہماری زندگی کا کتنا حصہ ہے؟ باقی زندگی کی ضروریات، قانون، رہنمائی، ہدایت، مشکلات کا حل، تعلیم کا اسلوب، مدینت و معاشرت کس سے لینا ہے؟ پرستش کے علاوہ جو زندگی ہے، اس انسان نے تعلیم حاصل کرنی ہے، اسکو قوانین چاہئیں، اس نے سوسائٹی بنانی ہے، اس نے حاکمیت تشکیل دینی ہے، دفاع، جنگ، تعلقات، اسکو معاشرے کی مدیرت چاہیئے، زعامتِ حیاتِ اجتماعی اسکا مطلوب ہے یہ سب کہاں سے لینا ہے؟ اسکا منبع کیا ہوگا؟ یہ سب تو پوجا میں شامل ہی نہیں ہوتا۔

پوجا صرف قرآن و سنت سے یہ برطانیہ سے نہیں لینا اگر پوجا و پرستشی رسومات میں برطانیہ سے رجوع کیا تو کافر ہو جاوگے لیکن تعلیم، قوانین، سوسائٹی بنانے کے میعار، نظامِ حاکمیت، دفاع، جنگ، تعلقات، معاشرے کی مدیرت، زعامتِ حیاتِ اجتماعی، ہدایت، تکامل و رشد کا اسلوب یہ سب برطانیہ سے اور غیر اللہ سے سے لینا ہے۔ یہ الہ اور دین کی نامناسب ترین اور منحرف ترین تشریح ہے۔

لا الہ اللہ یہی دین و رمز دین ہے۔ الہ کا معنی معبود نہیں ہے، الہ کا درست معنی حاکمِ مقتدر، حاکمِ مطلق، حاکمِ غیر مغلوب ہے۔ جس کے پاس مطلق حقِ فرمانروائی ہے۔ جو

دوسروں کو حکم دے سکتا ہے، جس کے پاس اقتدارِ اعلیٰ ہو، ایسا حقِ اقتدار کے اس سے برتر کسی کا اقتدار و حقِ حاکمیت و حقِ فرمانروائی نہ ہو۔

پرستش اس حاکمیتِ مطلقہ کا لازمہ ہے، جس کے پاس یہ مطلق اقتدارِ اعلیٰ ہو گا اسی کی پرستش کرنا ہے۔ پرستش لازمہِ حاکمیتِ مقتدرہ ہے، معنی نہیں ہے۔ جو حاکمِ مطلق و صاحبِ اقتدارِ اعلیٰ ہی کی پرستش ہو گی۔

اللہ نے انسان خلق کیا اجتماعی مخلوق کے طور پر، پھر اس اجتماعیت کی ضروریات کی فراہمی کے لیے دین نازل فرمایا اور دین کی اساس حاکمیت پہ رکھی کہ اللہ کے علاوہ انسان کا کوئی حاکمِ مقتدر نہیں ہے۔ حق حاکمیت اصلاً فقط اور فقط اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔

لا الہ اللہ!

اللہ کے علاوہ ہر حاکمِ مقتدر کی حاکمیت کا انکار کر کے حاکمیتِ مقتدرہِ خداوندی کے اقرار سے انسان دائرہِ دین میں داخل ہوتا ہے۔ دین کی بنیاد الوہیت و حاکمیتِ خدا ہے اور باقی سارا دین اسی اقتدارِ اعلیٰ کی تفصیل و تشریح ہے۔

پوجا پاٹ اللہ کی ہو اور حاکمیت کسی کی بھی ہو، نظام کسی کا بھی ہو یہ اسلام نہیں ہے۔

حاکمیتِ خدا اور جنکو خدا نے حاکمیت کا حق دیا ہے، نظامِ امامت و ولایت جس میں حاکمیتِ الٰہیہ کا اجرا یہ دین کی اساس بنیاد ہے،،۔

الہٰ وہ ہے جو انسانوں کیلیئے زندگی کے ضابطے اور قانون بنائے۔رب وہ ہے جس سے مخلوق کو جائز اور ناجائز کے پیمانے صادر ہوتے ہیں۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ

کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے شریعت سازی کرر کھی ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا"۔[15]

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

انہوں نے اپنے احبار ورہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور اسی طرح مسیح بن مریم کو بھی۔حالانکہ ان کو معبود کے سوا کسی کی بندگی کا حکم نہیں دیا گیا تھا'وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں 'پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں"۔[16]

پھر عبادت اور بندگی یہ ہے کہ اس حاکم مقتدر کے قانون پر چلاجائے اور اس کے مقرر کردہ کی حاکمیت میں اس کے نظام میں زندگی بسر کی جائے۔

---

[15] الشوریٰ :۲۱

[16] التوبۃ ۳۱

ایک صحابی نے وقت قبول اسلام جب یہ کہا کہ یہود و مسیحی ایسا تو نہیں کرتے جو قرآن نے یہ کہا ہے "اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کہ رسول ﷺ نے ان کو یہ جواب دیا کہ:

انهم حرموا عليهم الحلال واحلوا لهم الحرام فاتبعوهم فذلك عبادتهم اياهم

وہ ان پر حلال کو حرام کرتے اور حرام کو حلال کرتے تو وہ تسلیم کر لیتے تھے۔یہ ان کی عبادت ہی تو ہے"۔[17]

وطن:

جمہوری نظام میں ایک نمایاں جزو"وطن"کا تصور ہے جو کہ تاریخی ،جغرافیائی، نسلی، قومی یا ثقافتی(Culture)وغیرہ کی بنیادوں پر وجود میں آتے ہیں۔اور جب ان بنیادوں پر یہ وطن وجود میں آتے ہیں تو پھر از خود"خود مختاری" کا تصور بھی جنم لیتا ہے کہ ہر ملک آزاد ہے اور وہ اپنے معاملات طے کرنے میں خود مختار ہے۔اسلام ان تمام تصورات کی نفی کر تا ہے جو قومی، نسلی اور تعصب کی بنیاد پر ہوں۔اسلام پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند جوڑتا ہے اور انہیں ایک امت قرار دیتا ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾[18]

---

[17] تفسیر ابن کثیر

تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں (کی بھلائی) کے لئے نکالا گیا ہے"۔[18]

یہی وہ "وطن" کا تصور ہے جس نے آج پوری امتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی لحاظ سے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

علامہ اقبال کا مغربی جمہوری تصور وطنیت کا رد اور اسلامی تصور امت:

[19]اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظّارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے

---

[18]ال عمران:۱۱۰

[19]کلیات اردو، علامہ محمد اقبالؒ

اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملادے
ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سُنّتِ محبوبِ آلٰہی
دے تو بھی نبوّت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے
مزید فرمایا کہ
یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

اقبال مسلمانوں کو قرآنی اخوت کا پیغام دیتے ہیں اور انہیں تعلیم مشورہ دیتے ہیں کہ مغربی وجمہوری قومیت کا باطل حصار توڑ کر ایک امت کی صورت اختیار کرلو، کیونکہ یہی ایک صورت ہے جس کے ذریعے امتِ وسط کی حیثیت سے اپنا وجود برقرار رکھ سکتے ہیں۔ملک و قوم، نسل و وطن کی مصنوعی حد بندیوں نے نوع انسانی کا شیرازہ منتشر کرکے رکھ دیاہے۔اور اس کا علاج سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اسلامی معاشرہ کے تصور کو رائج کیا جائے جہاں قانون بھی اسلام کا ہو اور نظام بھی اسلام کا ہو۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل، اچھل کر بے کراں ہو جا

وحدت کا یہ احساس اور اخوت کا یہ جذبہ اگر نوع انسانی کے اندر پیدا ہو سکتا ہے تو صرف اسلامِ ناب و نظامِ امامت کے ذریعہ ہی پیدا ہونا ممکن ہے۔

اقبال کی نظر میں اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں، بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک اساسی انقلاب چاہتا ہے۔جو انسان کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔

ربط ملت و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر
نسل گر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر

حکومت اور دین کی علیحدگی:

نظام جمہوریت کی بنیادی عناصر میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اس میں حکومت اور مذہب کا باہمی تعلق ختم کردیا جاتا ہے۔یعنی مذہب کوریاست اور اس کے قوانین و معاملات میں کسی عمل دخل کی اجازت نہیں ہوتی اور جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ:

جدا ہو دین سے سیاست، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الاان رحا الاسلام دائرۃ فدوروا مع الکتاب الا ان الکتاب والسلطان سفترقان فلا تفارقوا الکتاب

اسلام کی چکی گردش میں ہے تو جدھر قرآن کا رخ ہو اسی طرف تم بھی گھوم جاؤ، ہوشیار رہو! قرآن اور اقتدار عنقریب الگ الگ ہو جائیں گے خبردار قرآن کو نہ چھوڑنا"۔[20]

غیر فطری سیاسی مساوات:

جمہوری نظام میں منتخب عوامی نمائندوں کی اکثریت کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور ان کی رائے کو قانون کا درجہ حاصل ہوجاتاہے ،چاہے یہ رائے شریعت کے مطابق ہو یا شریعت کے خلاف ہو اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی ہے۔

جمہوریت میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تعلیم سے نابلد، عالم اور جاہل، ماہر فن اور فن سے نابلد،چوکیدار، کلرک، صحافی،ماہر نفسیات،ماہر سیاسیات، پروفیسر،معیشت دان

---

[20] معجم طبرانی کبیر،روایت معاذ بن جبل

،تاجر، مزدور ،عورت ،مرد حتیٰ کہ مسلم اور غیر مسلم کی حیثیت برابر اور ان کی رائے اور ووٹ کا ایک ہی درجہ اور مقام ہوتا ہے۔

یہ بات نہ صرف خلافِ اسلام بلکہ سراسر خلافِ عقل ودانش ہے۔ہر شخص نہ تو ایک جیسی عقل وذہانت کا مالک ہوتا ہے اور نہ ایک جیسی صلاحیت رکھتا ہے، اسی لئے ان کی آراء اور افکارو نظریات میں بھی واضح فرق ہوتا ہے۔اسلام نے اس فرق کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ واضح کر دیاہے کہ صاحبِ علم اور جاہل ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔ارشادِ ربای ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [21]

آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جاہل برابر ہوسکتے ہیں۔بے شک اس میں اہل عقل کے لئے نصیحت ہے "۔

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ [22]

وہ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور وہ نہیں لگاتے مگر صرف تخمینے۔"

بقول علامہ اقبالؒ :

اس راز کو ایک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کے دانا اسے کھولا نہیں کرتے

---

[21] سورۃ الزمر:۹

[22] الاعراف:۱۱۶

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

عوام کو کلی اختیار دینا:

جمہوری نظام کی بنیادی فکر ''عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے'' اسلامی فکر سے بالکل متصادم ہے۔عوام کا حق حاکمیت ''صریح کفر'' اوراللہ کی حاکمیت کے مدمقابل ہے۔

اکثریت رکھنے والی جماعت کے قانون سازی کے حق کو تسلیم کرنا

پارلیمنٹ میں اکثریت رکھنے ولی سیاسی جماعت کو قانون سازی کا حق ہوتا ہے۔ جب تک دینی سیاسی جماعت کو اکثریت حاصل نہیں ہوتی، تب تک وہ قانون سازی نہیں کرسکتی۔

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾[23]

[23]الشوری:۲۱

کیا ان کے لئے ایسے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کے وہ قانون بنائے جس کی اللہ نے اجازت نہ دی اوراگر کلمہ فصل نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا"۔

انتخابی سیاست:

دورحاضر میں یہی وہ انتخابی سیاست ہے جہاں سے منافقانہ طرزِ پہ قائم ہے ،جبکہ دین کا حکم ہے کہ

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾[24]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، کھڑے ہو جاؤ عدل کے علمبردار بن کر اللہ کے لئے گواہ بنتے ہوئے، خواہ (یہ گواہی)تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو یا خواہ یہ والدین کے خلاف کیوں نہ ہو اور خواہ قرابت داروں کے خلاف کیوں نہ ہو"۔

بے دینی پہ اتحاد:

---

[24] النسآء:۱۳۵

انتخابی سیاست میں شرکت کرکے اقتدار میں آنے کا ایک لازمی نتیجہ لادین جماعتوں کے ساتھ اتحاد کی صورت میں نکلتا ہے۔اتحاد میں شریک مختلف نظریات و مقاصد کی حامل جماعتوں کے اپنے اپنے مفادات ہوتے ہیں۔

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾[25]

اور حق اور باطل کو مت ملاؤ۔

﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[26]

آپ فرمادیجئے کہ خبیث اورطیب برابر نہیں ہوسکتے ،اگرچہ تم کوخبیث کی کثرت کتنی بھلی لگتی ہو۔اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔اے عقل مندوں تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

یہ نظامِ جمہوریت اللہ کی حاکمیت کی نفی،اسلام کے اکمال کا انکار اور نظامِ اسلامی سے بغاوت ہے۔جہاں عملی اقتدارِ اعلیٰ غیر خدا کا ہو(خواہ وہ کوئی بھی ہو)۔جہاں اصول و قوانین کا منبع اسلامِ ناب نہ ہو اور جہاں امامت وولایت سے ہٹ کر کوئی بھی نظام ہو،وہ نظام دین و قرآن کی نظر میں باطل وطاغوت ہے۔

---

[25] البقرۃ:۴۲

[26] الانعام:۱۰۰

طاغوت

اللہ پر ایمان بھی تب ہی معتبر ہو گا جب طاغوت سے کفر کر کے ساری زندگی اس سے دشمنی اور بیر رکھنے کا عہد کیا جائے۔تب ہی اللہ سے دوستی ہو گی اور تب ہی وہ مضبوط آسمانی سہارا ہاتھ آئے گا جو نہ دنیا میں مرتے دم تک ساتھ چھوڑنے والا ہے اور نہ آخرت کی مشکل گھڑی میں۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا [27]

اب جو کوئی طاغوت کاانکار کر کے اللہ پرایمان لے آیا'اس نے ایک ایسامضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں"۔

مالک الملک کی کبریائی کی یہ شہادت کوئی نفلی عبادت یا صرف بلندی درجات کا ذریعہ نہیں جس کا کرنا یا نہ کرنا ہماری مرضی اورمزاج پر موقوف ہو۔

یہ کوئی سیاسی موقف بھی نہیں جو ہماری تنظیمی پالیسی کامحتاج ہو۔

یہ ایمان کا بنیادی مسئلہ ہے اور ہر انسان کا فرض اولین۔

یہ امیر پر بھی فرض ہے اور غریب پر بھی۔ایک مزدور اور کسان سے بھی اس کا وہی تقاضا ہے جو ایک سرمایہ دار اور زمیندار سے ایک عالم اور دانشور بھی

---

[27] البقرہ:۲۵۶

دنیا میں یہی شہادت دینے کے لئے پیدا ہوا ہے اور ایک عامی اور معمولی حیثیت کا آدمی بھی۔ ہر باعقل انسان جو ایمان کا مدعی ہے مرتے دم تک اس سے یہی عملی شہادت مطلوب ہے۔[28]

دین کا انسان سے مطلوبہ رویہ ہی یہ ہے کہ طاغوت کا انکار کر کے اللہ پہ ایمان لائے اور اللہ کے نازل کردہ دین اسلام ناب محمدی اور نظام امامت کو قبول کرے، جب ہی وہ دائرہ ایمان میں شمار کیا جائے گا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [29]

"نہیں اے محمد (ﷺ)! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی (تک) محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں"۔

طاغوت کو قبول کرنے کا انجام

---

[28] البقرہ:۲۵۶

[29] النساء:۶۵

عن اباعبداللہ علیہ السلام : مَرَّ عیسَی بنُ مریمَ علیہ السلام علی قَریَةٍ قد ماتَ أهلُها فَقالَ : یا أهلَ هَذهِ القَریَةِ !فَأَجابَهُ مِنهُم مُجیبٌ : لَبَّیكَ یا رُوحَ اللهِ و كَلِمَتَهُ ، فَقالَ : وَیحَكُم ! ما كانَت أعمالُكُم ؟قالَ : عِبادَةُ الطاغوتِ وحُبُّ الدنیا قالَ : كیفَ كانَت عِبادَتُكُم لِلطاغوتِ ؟قالَ : الطاعةُ لأهلِ المَعاصِي

امام صادق علیہ السلام: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ایک علاقے سے گزرے جس کے رہائشی (نافرمانی خدا کے سبب عذاب سے) مر چکے تھے۔

تو مسیحؑ نے کہا: اے اس بستی کے لوگو! ان میں سے ایک نے جواب دیا: اے روح اللہ و کلمۃ اللہؑ! افسوس! آپ کے اعمال کیا تھے؟ فرمایا: طاغوت کی غلامی اور دنیا کی دوستی۔ آپؑ نے سوال کیا کہ تم طاغوت کی بندگی کیسے کرتے تھے، اس نے جواب دیا: معصیت کاروں اور خدا کے نافرمانوں کی اطاعت کرکے۔

ظلمت یا نور:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ [30]

---

[30] البقرۃ:۲۵۷

اللہ مومنوں پر ولایت رکھتا ہے 'وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے ۔اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں 'ان پر طاغوت ولایت رکھتے ہیں وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔"

قرآن کریم گھروں میں رکھ کر جو قوم خود اندھیروں کے تعاقب میں نکل کھڑی ہوتی ہو بدبختی کے سوا اس کا کوئی انجام نہیں ۔اس کا باعث قوم کی بے بصیرتی و دینی سیاسی شعور کی کمی ہے یہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت ہے۔

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ [31]

"کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے ؟اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کررہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے ہیں 'اللہ نے ان کیلئے کوئی سند نازل نہیں کی۔

---

[31] یوسف

فرماں روائی کا حق اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔یہی (دین قیم) سیدھا طریق زندگی ہے 'مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ [32]

"اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سواکوئی الٰہ (فرمانروا) نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی الہ نہیں ہے اللہ کے نزدیک دین (نظامِ زندگی) صرف اسلام ہے"

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْھُمْ مَّنْ ھَدَی اللّٰہُ وَ مِنْھُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْہِ الضَّلٰلَۃُ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ۔ [33]

---

[32] آل عمران:۱۹-۱۸

[33] نحل:36

"اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (ان سب کی دعوت یہی تھی کہ) اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے گریزواجتناب کرو پھران میں سے کچھ تھے جنھوں نے (یہ دعوت قبول کی تو) اللہ نے ہدایت دے دی اور کچھ تھے (جنہوں نے اس دعوت کاناکر کیاتو)ان پر گمراہی صادق آگئی تو تم زمین پر گھوم پھر کر دیکھ لو کہ (اس دعوت کو) جھٹلانے والوں کا کیاانجام ہوا"۔

اہل ایمان جو کہ آج دانستہ یانادانستہ طاغوتی نظاموں میں مبتلاہیں اور ہر ایک کا بازو بنتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ انکو ہوشیار کر رہاہے کہ فقط ایمان کا گمان کرنے سے کوئی مومن ونجات یافتہ وفلاح یافتہ نہیں ہو جاتا

بلکہ ایمان کی توابتدا کی لا الہ اللہ ہے (الہ کے معنی کے لیے ابتدائی صفحات سے رجوع کریں) اور تم طاغوتی نظاموں کی حاکمیت میں مومن ہونے کا گمان کس طرح کیے بیٹھے ہو

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّھُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّھُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا۔ [34]

[34] النسا ۶۰

"کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جن کو گمان وخوش فہمی) ہے کہ وہ آپ کی جانب اور آپ سے پہلے نازل کردہ (وحی ، دین، قانون) پر ایمان رکھتے ہیں اور حاکمیت کے لئے طاغوت کی جانب جانے کے ارادے رکھتے ہیں جبکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان انہیں دور کی گمراہی میں لا پھینکنا چاہتا ہے"۔

اطاعت بمعنی بندگی:

لأبي بصيرٍ قال امام اباعبدالله جعفر ابن محمد الصادق علیہ السلام : ومَن أطاعَ جَبّاراً فقد عَبَدَهُ

جس نے کسی حاکمِ جبار کی اطاعت کی تو اس نے اس کی عبدیت وبندگی کی

انصارانِ نظامِ طاغوت:

انصارانِ نظامِ طاغوت اور یورپ کو اور انکے نظام کو اپنی نجات کا سامان سمجھنے والوں کے متعلق رب العزت کا واضح فرمان ہے کہ

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہٰۤؤُلَآءِ اَہۡدٰی مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا۔

"کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں کتاب میں سے دیا گیا وہ جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ راہ یافتہ ہیں"۔

امام صادقؑ:

إذا كانَ يومُ القِيامةِ يَأتي النِّداءُ مِنْ عِنْدِ اللهِ جلَّ جلالُهُ: ألا مَنِ ائْتَمَّ بِإمامٍ في دارِ الدُّنيا فَلْيَتَّبِعْهُ إلى حَيْثُ يَذْهَبُ بهِ، فَحِينَئِذٍ «تَبَرَّأَ الّذينَ اتُّبِعُوا مِنَ الّذينَ اتَّبَعُوا»

جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ کی جاب سے ندا دی جائے گی کہ دنیا کے ہر فرد نے جس امام کی پیروی کی ہے، آج اس کی پیروی میں اس جگہ جائیں جہاں اسے لے جایا جائے گا۔ یہ وہ وقت ہے جب طاغوتی قائدین و حکام اپنے پیروکاروں سے اور وہ اپنے قائدین سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔[35]

طاغوت کے فریب سے بچو:

امام علی زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

---

[35] بحار الانوار، مجلسی

كَفانا اللهُ و إيّاكُم كَيدَ الظالِمينَ وبَغيَ الحاسِدِينَ وبَطشَ الجبّارِينَ، أيُّها المؤمنونَ لا يَفتِنَنَّكُمُ الطَّواغِيتُ وأتباعُهُم من أهلِ الرَّغبَةِ في الدنيا

خدا ہماری اور آپ کی کفایت و محافظت فرمائے ظالموں کی سازشوں اور حاسدوں کی جارحیت اور جباروں کے غضب سے۔اے مومنین! ہوشیار! طاغوتی طاقتیں اور دنیا کے عاشق آپ کو گناہ اور گمراہی پر آمادہ نہ کریں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ ،ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ

"بے شک جو لوگ اپنی پشتوں کے بل مرتد ہوگئے جبکہ ان کے لئے ہدایت واضح ہوچکی تھی درحقیقت شیطان نے انہیں خوشنما کرکے دکھایا اور اس نے انہیں آسرے دیے اس کی وجہ یہ بنی کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو اللہ کے نازل کردہ کو ناپسند کرتے تھے کہا کہ عنقریب بعض معاملات میں ہم تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ اللہ ان کے دلوں کے راز تک جانتا ہے"۔

امام باقرؑ:

قالَ الإمامُ الباقرُ عليه السلام : إيّاكُم و الوَلائجَ؛ فإنّ كُلَّ وَلِيجَةٍ دُونَنا فهِي طاغوتٌ

خبر دار! (غیر الٰہی) ہم کاروں اور سرپرستوں سے ہوشیار رہو، بے شک ہم (آئمہ منصوص من اللہ) علاوہ ہر ہم کار و سرپرست طاغوت ہے۔

طاغوت کا انکار کرنے والوں کے نام:

وہ جو طاغوت کا نکار کرتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خوشخبری ہے کہ وَالَّذِیۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ یَّعۡبُدُوۡهَا وَ اَنَابُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الۡبُشۡرٰی فَبَشِّرۡ عِبَادِ. الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِکَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ۔ [36]

''اور جو لوگ طاغوت کی بندگی واطاعت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے تو آپ میرے بندوں کو خوشخبری دے دیجئے وہ بندے جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں پھر اس کے اچھے پہلو پر چلتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی لوگ عقل والے ہیں''۔ [37]

سوال: دین نے انسان کی اجتماعی حیات وسماجی زندگی کے لیے کیا متبادل دیا ھے؟

اسلام ایک دینِ کامل ہے

---

[36] زمر ۱۸،۱۷

[37] اس موضوع پہ مزید تفصیل کے لیے مصنف کی ایک اور تصنیف طاغوتیت سے ہشیار کی جانب رجوع کریں (ناشر)

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا[38]

آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ

کیا اللہ کے دین کے سوا وہ کچھ پسند کریں گے

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ

اُس نے تمہارے لئے دین میں سے وہی احکام جاری کئے ہیں جن کا اس نے نوح کو بھی تاکیدی حکم دیا تھا۔ اور جو ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی تاکیدی حکم دیا تھا، وہ یہی تھا کہ تم دین کو مضبوطی سے قائم کرو اور اس بارہ میں کوئی اختلاف نہ کرو۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

فیصلے کا اختیار اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہ قائم رہنے والا اور قائم رکھنے والا دین ہے

---

[38] سورہ مائدہ آیت 3

دین کی نسبت ذمہ داری

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا

پس اپنی تمام جہات اللہ کی جانب رکھتے ہوئے اپنی توجہ دین پر مرکوز رکھیں

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡـتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ

یقیناً اللہ نے تمہارے لئے اس دین کو چُن لیا ہے۔ پس ہر گز مرنا نہیں مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡـنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤـئِمٍ‌ ذٰ لِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ‌ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو ضرور اللہ (اس کے بدلے) ایک ایسی قوم لے آئے گا جس سے وہ محبت کرتا ہو اور وہ اُس سے محبت کرتے ہوں۔ مومنوں پر وہ بہت مہربان ہوں گے (اور) کافروں پر بہت سخت۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہ رکھتے ہوں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اس کو جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بہت وسعت عطا کرنے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور تُو ان لوگوں کو چھوڑ دے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود اور نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا

اور دین میں اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اپنی تمام تر توجہ اللہ کی خاطر وقف کر دے اور وہ احسان کرنے والا ہو اور اس نے ابراہیمِ حنیف کی ملت کی پیروی کی ہو اور اللہ نے ابراہیم کو دوست بنالیا تھا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اور جو بھی اسلام کے سوا کوئی دین پسند کرے تو ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گا

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ

پس اللہ کی عبادت کر اُسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ

پس تُو اپنی توجہ مضبوط اور قائم رہنے والے دین کے لئے مرکوز رکھ۔

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ‌ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ‌ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ

دین میں کوئی جبر نہیں۔ یقیناً ہدایت گمراہی سے کھل کر نمایاں ہو چکی۔ پس جو کوئی شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے ایک ایسے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا جس کا ٹوٹنا ممکن نہیں۔ اور اللہ بہت سننے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

دین کی نسبت منافقانہ رویہ

اِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۤءِ دِيۡنُهُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ

(یاد کرو) جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے کہنے لگے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے حالانکہ جو بھی اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ یقیناً کامل غلبہ والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔

دین کو کامل اور لائقِ نفاذ ماننے والے لوگ

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ اعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰہِ وَ اَخۡلَصُوۡا دِیۡنَہُمۡ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ

وَ سَوۡفَ یُؤۡتِ اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَجۡرًا عَظِیۡمًا

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیا تو یہی وہ لوگ ہیں جو مومنوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ مومنوں کو ایک بڑا اجر عطا کرے گا۔

دین اور سیاست

دین اور تاسیس حکومت

محمد عابد الجابری نامی ایک عرب مصنف آنحضرت (ص) کی دینی حکومت کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ (ص) نے کوئی سیاسی نظام اور دینی حکومت تشکیل نہیں دی تھی بلکہ آپ (ص) کی پوری کوشش ایک "امت مسلمہ" کی تاسیس تھی۔

آپ (ص) نے کوئی حکومت قائم نہیں کی تھی بلکہ آپ (ص) نے لوگوں میں ایک خاص اجتماعی اور معنوی طرز زندگی کو رائج کیا اور ایسی امت کو وجود میں لائے جو ہمیشہ دین الہی کی حفاظت کیلئے کوشش کرتی رہی اور اسلام اور بعثت نبوی کی برکت سے ایک منظم معنوی اور اجتماعی راہ کو طے کیا۔

اس معنوی و اجتماعی راہ کی توسیعی کوششوں اور امت مسلمہ کی پرورش کے باوجود آنحضرت (ص) نے اپنے آپ (ص) کو بادشاہ، حکمران یا سلطان کا نام نہیں دیا۔

بنابریں دعوت محمدی سے ابتدا میں ایک "امت مسلمہ" وجود میں آئی پھر امتداد زمانہ کے ساتھ ایک خاص سیاسی ڈھانچہ تشکیل پایا جسے اسلامی حکومت کا نام دیا گیا۔

سیاسی نظم و نسق اور حکومت کی تشکیل عباسی خلفا کے عہد میں وقوع پذیر ہوئی، صدر اسلام کے مسلمان اسلام اور دعوت محمدی کو دین خاتم کے عنوان سے دیکھتے تھے نہ حکومت کے عنوان سے، اسی لئے ان کی تمام تر کوشش اس دین کی حفاظت اور اس امت مسلمہ کی بقا کیلئے رہی نہ کہ سیاسی نظام اور نوزائیدہ مملکت کی حفاظت کیلئے۔

صدر اسلام میں جو چیز اسلامی معاشرے میں وجود میں آئی وہ امت مسلمہ تھی پھر اس دینی پیغام اور الٰہی رسالت کے تکامل اور ارتقاء سے دینی حکومت نے جنم لیا۔

جابری نے اپنے مدعا کی تائید کیلئے درج ذیل شواہد کا سہارا لیا ہے

الف۔ زمانہ بعثت میں عربوں کے پاس کوئی مملکت اور حکومت نہیں تھی، مکہ اور مدینہ میں قبائلی نظام رائج تھا جسے حکومت نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ حکومت کا وجود چند امور سے تشکیل پاتا ہے۔

اس سرزمین کی جغرافیائی حدود معین ہوں، لوگ مستقل طور پر وہاں سکونت اختیار کریں۔ ایک مرکزی قیادت ہو جو قوانین کے مطابق ان لوگوں کے مسائل حل کرے جبکہ عرب میں اس قسم کی کوئی شئے موجود نہیں تھی۔

ب۔ آنحضرت (ص) نے اس دینی اور معاشرتی رسم ورواج اور طرز زندگی کی ترویج کی جسے اسلام لایا تھا اور خود کو حکمران یا سلطان کہلوانے سے اجتناب کیا۔

ج۔ قرآن مجید نے کہیں بھی اسلامی حکومت کی بات نہیں کی بلکہ ہمیشہ امت مسلمہ کا نام لیا ہے "و کنتم خیر امّۃ اُخرجت للناس "تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کیلئے لایا گیا ہے

د۔ حکومت ایک سیاسی اصطلاح کے عنوان سے عباسی دور میں سامنے آئی۔ اس سے پہلے صرف " امت مسلمہ " کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا جب امویوں سے عباسیوں کی طرف اقتدار منتقل ہوا تو ان کی اور ان کے حامیوں کی زبان پر " ھذہ دولتنا" (یہ ہماری حکومت ہے) جیسے الفاظ جاری ہوئے جو کہ دین و حکومت کے ارتباط کی حکایت کرتے ہیں اور امت کی بجائے حکومت اور ریاست کا لفظ استعمال ہونے لگا

جواب:

1۔ اسلام اور ایمان کی برکت سے عرب کے متفرق اور مختلف قبائل کے درمیان ایک امت مسلمہ کی تشکیل اور ایک مخصوص اجتماعی اور معنوی طرز زندگی اس سے مانع نہیں ہے کہ یہ امت ایک مرکزی حکومت قائم کرلے، کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہے کہ آنحضرت (ص) مختلف اور متعدد قبائل سے " امت واحدہ" کو وجود میں لائے۔

بحث اس میں ہے کہ یہ امت سیاسی اقتدار اور قدرت کی حامل تھی، حکومت کا عنصر اس امت میں موجود تھا اور اس حکومت اور سیاسی اقتدار کی قیادت ورہبری آنحضرت (ص) کے ہاتھ میں تھی۔

2۔ مذکورہ نظریے کے حامل [39] اس بنیادی نکتہ سے غافل رہے ہیں کہ ہر معاشرہ کی حکومت اس معاشرہ کے مخصوص اجتماعی اور تاریخی حالات کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے۔ ایک سیدھا اور سادہ معاشرہ جو کہ پیچیدہ مسائل کا حامل نہیں ہے اس کی حکومت بھی طویل و عریض اداروں پر مشتمل نہیں ہو گی، جبکہ ایک وسیع معاشرہ جو کہ مختلف اجتماعی روابط اور پیچیدہ مسائل کا حامل ہے۔

واضح سی بات ہے اسے ایک ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو وسیع انتظامی امور اور اداروں پر مشتمل ہو تا کہ اس کے مسائل حل کر سکے، جس غلط فہمی میں یہ دو افراد مبتلا ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت (ص) کے دور کے اجتماعی حالات پر غور نہیں کیا۔ انہوں نے حکومت کے متعلق ایک خاص قسم کا تصور ذہن میں رکھا ہے لہذا جب آنحضرت (ص) کے دور میں انہیں حکومت کے متعلق وہ تصور نہیں ملا تو کہنے لگے آنحضرت (ص) نے حکومت تشکیل نہیں دی بلکہ عباسیوں کے دور میں اسلامی حکومت وجود میں آئی۔

---

[39] الدین والدولہ وتطبیق الشریعۃ محمد عابد جابری

یہ نظریہ کہ جس کا سرچشمہ عبدالرازق کا کلام ہے کی ردّ میں ڈاکٹر سنہوری کا بیان :

عبدالرازق کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ ایک حکومت کیلئے جو انتظامی امور اور ادارے ضروری ہوتے ہیں، وہ رسول خدا(ص) کے زمانہ میں نہیں تھے، لیکن یہ بات عبدالرازق کے اس مدعا کی دلیل نہیں بن سکتی کہ آپ(ص) کے دور میں حکومت کا وجود نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت جزیرۃ العرب پر ایک سادہ سی طرز زندگی حاکم تھی جو اس قسم کے پیچیدہ اور دقیق نظم ونسق کی روادار نہیں تھی لہذا اس زمانہ میں جو بہترین نظم ونسق ممکن تھا آنحضرت(ص) نے اپنی حکومت کیلئے قائم کیا۔

پس اس اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ "اگر آپ نے حکومت تشکیل دی تھی تو اس میں موجودہ دور کی حکومتوں کی طرح کا نظم ونسق اور انتظامی ادارے کیوں نہیں ملتے، کیونکہ اس قسم کا نظم ونسق اور طرز حکومت آنحضرت(ص) کے زمانہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی اسلامی حکومت کیلئے مالیات، قانون گذاری، انتظامی امور اور فوجی ادارے قائم کیئے۔

3۔ آنحضرت(ص) سیاسی اقتدار اور ایک مرکزی حکومت کی ماہیت کو وجود میں لائے۔

ہماری بحث اس میں نہیں ہے کہ اس وقت لفظ حکومت استعمال ہوتا تھا یا نہیں یا وہ الفاظ جو کہ عموماً حکمران استعمال کرتے تھے مثلاً امیر، بادشاہ یا سلطان وغیرہ آنحضرت(ص) نے اپنے لئے استعمال کیئے یا نہیں؟ اس بنا پر کہ آپ(ص) نے خود کو حکمران یا بادشاہ نہیں

کہلوایا یا عباسیوں کے دور میں "ہماری حکومت" جیسے الفاظ رائج ہوئے تشکیل حکومت کو بعد والے ادوار کی پیداوار قرار دیں۔

وہ تاریخی حقیقت کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا یہ ہے کہ آنحضرت(ص) کے دور میں مدینہ میں سیاسی اقتدار وجود میں آ چکا تھا، البتہ یہ حکومت جو کہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر قائم تھی شکل و صورت اور لوگوں کے ساتھ تعلقات میں اس دور کی دوسری مشہور حکومتوں سے بہت مختلف تھی۔

آنحضرت(ص) کی حکومت کا الٰہی ہونا:

اس نکتہ کی وضاحت کے بعد کہ آنحضرت(ص) نے مدینہ میں حکومت تشکیل دی تھی اور آپ کی رسالت اور نبوت سیاسی ولایت کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ اس اہم بحث کی تحقیق کی باری آتی ہے کہ آنحضرت(ص) کو یہ حکومت اور سیاسی ولایت خداوند کریم کی طرف سے عطا ہوئی تھی یا اس کا منشا رائے عامہ اور بیعت تھی؟ کیا آپ (ص) کی سیاسی ولایت کا منشا دینی تھا یا عوامی اور مدنی؟

اس سوال کا جواب اسلام اور سیاست کے رابطہ کی تعیین میں اہم کردار ادا کرے گا۔ اگر آنحضرت(ص) کی سیاسی ولایت اور حکومت کا منشا دینی تھا اور یہ منصب آپ(ص) کو خدا کی طرف سے عطا کیا گیا تھا تو پھر اسلام اور سیاست کا تعلق " ذاتي" ہو گا۔

تاریخی تعلق:

بایں معنی کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں حکومت پر توجہ دی ہے اور مسلمانوں سے دینی حکومت کے قیام کا مطالبہ کیاہے لہذا آنحضرت (ص) نے اس دینی مطالبہ پر لبیک کہتے ہوئے حکومت کی تشکیل اور مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی امور کے حل کیلئے اقدام کیا ہے اور اگر آنحضرت(ص) کی حکومت اور سیاسی ولایت کا منشاٗ و سرچشمہ صرف لوگوں کی خواہش اور مطالبہ تھاتو اس صورت میں اسلام اور حکومت کے درمیان تعلق ایک "تاریخی تعلق" کہلائے گا۔

اس تاریخی تعلق سے مراد یہ ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں دینی حکومت کی تشکیل کا مطالبہ نہیں کیااور آنحضرت(ص) کیلئے سیاسی ولایت جیسا منصب یا ذمہ داری قرار نہیں دی بلکہ رسول خدا(ص) کے ہاتھوں دینی حکومت کا قیام ایک تاریخی واقعہ تھا جو اتفاقاًوجود میں آگیا۔ اگر مدینہ کے لوگ آپ(ص) کو سیاسی قائد کے طور پر منتخب نہ کرتے اور آپ(ص) کی بیعت نہ کرتے تو اسلام اور حکومت کے درمیان اس قسم کا تعلق پیدا نہ ہوتا کیونکہ اس نظریہ کے مطابق اسلام اور سیاست کے درمیان کوئي "ذاتی تعلق" نہیں ہے اور نہ ہی اس دین میں سیاسی ولایت کے متعلق اظہار رائے کیا گیا ہے۔

اس نظریہ کے حامیوں میں سے ایک کہتے ہیں:

آسمانی پیغام کو پہنچانے کیلئے رسول خدا(ص) کی اجتماعی، سیاسی اور اخلاقی قیادت سب سے پہلے لوگوں کے منتخب کرنے اور بیعت کے ذریعہ وجود میں آئی پھر اس بیعت کو خداوند

کریم نے پسند فرمایا جیسا کہ سورہ فتح کی آیت " لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ "

" بے شک اللہ تعالی مومنوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے "

اس سے معلوم ہوتا ہے ایسا نہیں ہے کہ آنحضرت (ص) کی سیاسی قیادت الہی ماموریت اور رسالت کا ایک حصہ ہو بلکہ آپ کی سیاسی قیادت اور فرمانروائی جو کہ لوگوں کی روزمرہ زندگی اور عملی و اجرائی دستورات پر مشتمل تھی لوگوں کے انتخاب اور بیعت کے ذریعہ وجود میں آئی لہذا یہ رہبری وحی الہی کے زمرے میں نہیں آتی۔

یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ دین اور سیاست کا تعلق ایک تاریخی تعلق ہے اور آنحضرت (ص) کی سیاسی ولایت ایک مدنی ضرورت تھی، آپ (ص) کی حکومت اس دور کے تقاضے اور لوگوں کے مطالبہ سے اتفاقاً وجود میں نہیں آئی تھی بلکہ اس کا سرچشمہ اسلامی تعلیمات تھیں اور لوگوں کی خواہش اور بیعت نے در حقیقت اس دینی دعوت کے عملی ہونے کی راہ ہموار کی۔ آپ (ص) کی سیاسی ولایت کا سرچشمہ اسلام اور وحی الہی تھی

الف۔ اسلام کچھ ایسے قوانین اور شرعی فرائض پر مشتمل ہے کہ جنہیں دینی حکومت کی تشکیل کے بغیر اسلامی معاشرہ میں جاری نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی سزاؤں کا نفاذ اور مسلمانوں کے مالی واجبات مثلاً زکوۃ، اور اموال و غنائم کے خمس کی وصولی اور مصرف

ایسے امور ہیں کہ دینی حکومت کی تشکیل کے بغیر ان کا انجام دینا ممکن نہیں ہے۔

بنابریں دینی تعلیمات کے اس حصہ کو انجام دینے کیلئے آپ(ص) کیلئے سیاسی ولایت ناگزیر تھي۔ہاں اگر مسلمان آپ(ص) کا ساتھ نہ دیتے اور بیعت اور حمایت کے ذریعہ آپ(ص) کی پشت پناہی نہ کرتے تو آپ کی سیاسی ولایت کو استحکام حاصل نہ ہوتا اور دینی تعلیمات کا یہ حصہ نافذ نہ ہوتا لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ(ص) کی سیاسی ولایت کا منشأعوام تھے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

ب۔ قرآنی آیات رسول خدا(ص) کی سیاسی ولایت کو ثابت کرتی ہیں اور مؤمنین سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ آپ(ص) کی طرف سے دیے گئے اوامر اور نواہی کی اطاعت کریں:

النبی اولی بالمومنین من انفسھم

بے شک نبی تمام مومنوں سے ان کے نفس کی نسبت اولی ہیں

انماولیّکم اللھور سولھوالذینآمنواالذینیقیمونالصلوۃویؤتونالزکوۃوھمراکعون

یقیناًتمھاراولی خدا، اس کارسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں

انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اریك اللہ

ہم نے تمہاری طرف بر حق کتاب نازل کی تا کہ لوگوں کے درمیان حکم خدا کے مطابق فیصلہ کریں

اس قسم کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت(ص) مومنین پر ولایت، اولویت اور حق تقدم رکھتے ہیں۔ بحث اس میں ہے کہ یہ ولایت اور اولویت کن امور میں ہے، ان آیات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ولایت اور اولویت ان امور میں ہے جن میں لوگ معمولاً اپنے رئیس کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی وہ اجتماعی امور جن کے ساتھ معاشرہ اور نظام کی حفاظت کا تعلق ہے۔ مثلاً نظم ونسق کا برقرار رکھنا، لوگوں کے حقوق کی پاسداری، مالیات کی جمع آوری، انکی تقسیم اور مستحقین تک ان کا پہنچانا اور اس طرح کے دوسرے ضروری مصارف، مجرموں کو سزا دینا اور غیروں سے جنگ اور صلح وغیرہ۔

ج۔ وہ افراد جو آنحضرت(ص) کی سیاسی ولایت کو مدنی اور غیر الہی سمجھتے ہیں ان کی اہم ترین دلیل مختلف موقعوں پر مسلمانوں کا رسول خدا(ص) کی بیعت کرنا ہے۔ بعثت کے تیرہویں سال اہل یثرب کی بیعت اور بیعت شجرہ (بیعت رضوان)

یہ وہ بیعتیں ہیں جن سے ان افراد نے تمسک کرتے ہوئے کہا ہے کہ آنحضرت(ص) کی حکومت کا منشأ دینی نہیں تھا۔

بعثت کے تیرہویں سال اعمال حج انجام دینے کے بعد اور رسول خدا(ص) کی مدینہ ہجرت سے پہلے اہل یثرب کے نمائندوں نے آنحضرت(ص) کی بیعت کی تھی۔ جسے بیعت عقبہ کہتے ہیں۔

اگر اس کا پس منظر دیکھا جائے تو بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس بیعت کا مقصد مشرکین مکہ کی دھمکیوں کے مقابلہ میں رسول خدا(ص) کی حمایت کرنا تھا۔ اس بیعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو دلالت کرتی ہو کہ انہوں نے آنحضرت(ص) کو سیاسی رہبر کے عنوان سے منتخب کیا ہو، اس بیعت کے وقت آنحضرت(ص) نے فرمایا:

" امّا مالی علیکم فتنصرونی مثل نسائکم و ابنائکم و ان تصبروا علی عضّ السّیف و ان یُقتل خیارکم "

بہرحال میرا تم پر یہ حق ہے کہ تم میری اسی طرح مدد کرو جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی مدد کرتے ہو اور یہ کہ تلواروں کے کاٹنے پر صبر کرو اگرچہ تمہارے بہترین افراد ہی کیوں نہ مارے جائیں۔

براء بن معرور نے آنحضرت(ص) کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا:

"نعم و الذی بعثك بالحق لنمنعنّك ممّا نمنع منها زرنا" [40]

---

[40] مناقب آل ابی طالب ج 1، ص 181

ہاں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیاہے ہم ہر اس چیز سے آپ کا دفاع کریں گے جس سے اپنی قوت وطاقت کا دفاع کرتے ہیں۔

بیعت رضوان کہ جس کی طرف سورہ فتح آیت ۱۸ اشارہ کررہی ہے ٦ہجری میں "حدیبیہ" کے مقام پر ہوئی اس بیعت سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضرت(ص) کی حکومت کا منشا مدنی اور عوامی تھا نا قابل فہم بہت عجیب ہے کیونکہ یہ بیعت مدینہ میں آنحضرت (ص) کی سیاسی ولایت اور اقتدار کے استحکام کے کئی سال بعد ہوئی پھر اس بیعت کا مقصد مشرکین کے ساتھ جنگ کی تیاری کا اظہار تھا۔لہذا سیاسی رہبر کے انتخاب کے مسئلہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا ۔

دین کامل کا نظام

امامت: پیغمبر اکرمؐ نے یثرب میں جس حکومت کی بنیاد قائم فرمائی، وہاں ایک باقاعدہ نظامِ سیاسی و سماجی قائم فرمایا، جس میں حاکم کو حقِ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوا تھا جو کہ اقتدارِ اعلیٰ و حاکمیتِ مطلق کا حقیقی مالک ہے اور وہ حاکم رسول اللہؐ کی ذات تھی اور قانون بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ تھا یعنی شریعتِ مقدسِ اسلام۔ جس کے تحت مدینہ کا اسلامی معاشرہ قائم ہوا۔ اس نظام کو اصطلاح میں نظامِ امامت کہا جاتا ہے۔

اسی طرح پیغمبر اکرمؐ کی جانشینی میں اسلامی معاشرے کی قیادت و رہبری کا الہی نظام ہے، امامت کہتے ہیں۔[41]

اہل سنت بھی امام کی ضرورت اور اس کی اطاعت کے لزوم پر عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن ان کے مطابق امام انتخاب کا اختیار لوگوں کو حاصل ہے۔

[41] میر سید شریف، التعریفات، ۱۴۱۲اق، ص۲۸؛ بحرانی، قواعد المرام، ۱۴۰۶اق، ص۱۷۴؛ فاضل مقداد، ارشاد الطالبین، ۱۴۰۵اق، ص۳۲۵؛ تفتازانی، شرح المقاصد، ۱۴۰۹اق، ج۵، ص۲۳۴؛ میر سید شریف، شرح المواقف، ۱۳۲۵اق، ج۸، ص۳۴۵

امامت یعنی" دینی اور دنیوی امور میں پیغمبر اکرمؐ کی جانشین کے عنوان سے مسلمانوں کی زعامت وحاکمیت"۔[42]

امامت تقاضہِ حاکمیتِ خداوند تعالیٰ

چونکہ اس کائنات کا خالق، مالک، رب اور ولی وحاکم صرف ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور توحیدِ عملی کا تقاضہ یہ ہے کہ اسکا اقتدار وحاکمیت اہل زمین میں نافذ العمل ہو۔ اگر دو خالق ہوں، یا دو ارباب ہوں، یا دو ملوک ہوں یا دو الہ وحاکم ہوں تو کائنات میں یگانگت ایجاد نہیں ہو سکتی بلکہ فساد و عدم توازن لازم ہو جائے گا۔ اس لیے جیسے عالمِ تکوین میں ولایت وحاکمیت فقط اللہ تعالیٰ کی ہے اسی طرح عالمِ تشریع میں بھی ولایت وحاکمیت کا حق اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے ، جسکی تفصیلی بحث ہم اسی کتاب میں ابتدائی طور پر کر چکے ہیں۔

[42] فیاض لاہیجی، گوہر مراد، ۱۳۸۳ش، ص ۴۶۲-۴۶۱؛ فیاض لاہیجی، سرمایہ ایمان، ۱۳۷۲ش، ص ۱۰۷

آیت اللہ مصباح یزدی کے مطابق:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا؛

یاد رکھو اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ اور الہ ہوتے تو زمین و آسمان دونوں برباد ہو جاتے۔

توحید افعالی و توحیدِ عملی کے اثبات کے لیے ایک دلیل ہے۔انہوں نے اس آیت میں موجود دلیل عقلی کو یوں بیان کیا ہے:

اگر کائنات میں ایک علت سے زیادہ ہوتی تو اس کے اجزاء میں علت اور معلول کا رابطہ ناممکن تھا؛ کیونکہ ہر معلول اپنی علت ہی سے وابستہ ہے اور دوسری علتیں اس پر اثر نہیں کر سکتی ہیں۔کائنات ایک نظم کی پیروی کرتی ہے اور اس کے تمام اجزا میں باہمی رابطہ پایا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کائنات کی ایک ہی علت ہے اور ایک ہی خالق،مالک، رب اور الہ ہے۔

اس الہ کی حاکمیت و ولایت کو بندوں میں نافذ العمل کرنے والا نظام ولایت و امامت ہے جس میں نبی و رسول بطور خلیفۃ اللہ و امام المومنین اہل زمین پہ اللہ

تعالیٰ کی جانب سے حقِ حاکمیت رکھتا ہے، اور بعد از خاتم المرسلین(ص) اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ آئمہ معصومینؑ اس حاکمیت وولایت الٰہیہ کو بطورِ نظامِ سیاسی وعبادی نافذ کرنے والے ہیں اور امامت اللہ کا مقرر کردہ نظامِ سیاسی و سماجی ہے، جس کے علاوہ ہر نظام از نظرِ دین طاغوت ہے۔

اسلام اور سیاست: حکومت ایک اجتماعی ضرورت ہے۔ چونکہ انسانی معاشرہ ایسے افراد سے تشکیل پاتا ہے کہ جنکے مفادات ، تعلقات اور طرز تفکر متضاد اور متعارض ہیں لہذا اسے ایک حکومت کی ضرورت ہے۔

انسانی اجتماع چاہے وہ ایک محدود اور مختصر شکل میں ہی کیوں نہ ہو ، اُس میں بھی حاکم اور رعیت کی ضرورت ہے ۔مفادات کا ٹکراؤ ، باہمی تنازعات ، حق تلفی اور امن عامہ کو خراب کرنے والے عناصر ، ایسے عوامل ہیں جو ان امور کی دیکھ بھال کرنے والی اور نظم ونسق کو برقرار رکھنے والی مرکزیت کا تقاضا کرتے ہیں ۔بنابریں اس

مرکزیت کے بغیر کہ جسے ہم حکومت یا ریاست کہتے ہیں معاشرہ نامکمل رہے گا اور اپنی بقا سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا

یہ مرکزیت سیاسی اقتدار ،قوت فیصلہ اور قدرت امر و نہی کی حامل ہو گی۔جب خوارج نے اپنے فکری انحطاط اور شورش طلب انداز میں لا حکم الااللہ (خدا کے سوا کسی کا حکم قابل قبول نہیں) کا نعرہ بلند کیا اور اسلامی معاشرے کیلئے حکومت و حکمرانی کی نفی اور اپنے اوپر صرف خدا کی حکومت کے خواہاں ہوئے تو امیر المؤمنین نے فرمایا:[43]

لوگوں کیلئے ایک حاکم کاہونا ضروری ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا تا کہ مومن اس کے زیر سایہ اپنے کام انجام دے سکے اور کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ مند ہو گا۔اللہ تعالی اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہنچا دے گا اسی حاکم کی وجہ سے مال غنیمت جمع ہوتا ہے، دشمن سے لڑا جاتا ہے، راستے پر امن رہتے

---

[43] نہج البلاغہ خطبہ 40

ہیں، قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ نیک لوگ خوشحال اور برے لوگوں سے امان پاتے ہیں ۔

امیر المؤمنینؑ کا یہ فرمان حکومت کے ضروری ہونے کی نشان دہی کرتا ہے اور اس بات کا عندیہ دیتاہے کہ انسانی معاشرے کیلئے حکومت کی اتنی اہمیت ہے کہ ایک غاصب اور فاجر و فاسق کی حکومت بھی معاشرہ کی بد امنی اور فقدان حکومت سے بہتر ہے کیونکہ حکومت اگر چہ فاسق و فاجر کی ہی کیوں نہ ہو بعض اجتماعی نقائص اور خامیوں کو چھپا دیتی ہے اور بعض اجتماعی ضروریات کو پورا کرتی ہے قرآن و حدیث کے مطالعہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام نے ایک دینی فرمان یا حکم کے تحت مسلمانوں کو حکومت کی تشکیل کی دعوت نہیں دی کیونکہ لوگ خود بخود حکومت کی تشکیل کرتے ہیں اور اس کیلئے انہیں کسی دعوت ، ترغیب یا نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔

اس نکتے کی طرف عظیم مفکر اور فیلسوف علامہ طباطبائي نے اپنی کتاب تفسیر المیزان میں اشارہ فرمایاہے: قطعی طور پر لوگ اپنے معاشرے میں حکومت اور ریاست کے قائل ہیں اور اپنے انتظامی امور کیلئے ایک یا چند افراد کو سیاسی اقتدار سونپ دیتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے لوگوں کو حکومت کی تشکیل کی دعوت نہیں دی بلکہ اسے ان ضروری و بدیہی امور میں سے لیاہے کہ جن میں کسی دعوت یا تشویق کی ضرورت نہیں ہےوہ چیز جس کی طرف قرآن کریم لوگوں کو دعوت دیتاہے وہ محور دین پر اجتماع و اتفاق ہے [44]

اس کے باوجود کیا حکومت اور سیاست انسانی معاشرے کی ایک واقعی ضرورت کے عنوان سے دین اسلام کی مورد توجہ قرار نہیں پائی؟ یہ دین جس نے خود کو دین کامل اور خاتم الادیان کہا ہے،

کیا یہ اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے گزر گیا اور اس کے متعلق کوئي ہدایت یا فرمان جاری نہیں کیا ؟

---

[44] تفسیر المیزان ج 3 ، ص 144، 149_ سورہ آل عمران آیت 26

کیا اسلامی تعلیمات صرف انسان کی انفرادی زندگی اور اس کے خدا کے ساتھ تعلق تک محدود ہیں؟

کیا اس دین مبین نے اجتماعی تعلقات ، معاشرتی امور کا نظم ونسق اور سیاست و حکومت کوخود لوگوں کے حوالے کر دیاہے؟

وہ دین کامل جس نے پیدائش سے لے کر وفات تک انسان کی زندگی کی بہت سی جزئیات میں ہدایت و راہنمائی کی ہے،کیا اس نے حکومت اور معاشرے کے نظم و نسق جیسے اہم امور جو کہ انسان کی شخصیت اور سعادت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، کے متعلق کچھ نہیں کہا اور ان کے متعلق کسی قسم کا اظہار نظر نہیں کیا ؟

یہ تمام سوالات در حقیقت ایک سوال کو جنم دیتے ہیں کیا اسلام سیاسی فکر کا حامل ہے ؟

اس سوال کے مثبت جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ اصل حکومت کے بدیہی ہونے کی وجہ سے اسلام نے اسے بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن اس کے متعلق اظہار نظر کیا ہے کہ

حکومت کیسے کی جائے اور حکمرانی کا حق کسے حاصل ہے ۔جس طرح اسلام نے گھریلو اور اجتماعی زندگی میں لوگوں کے باہمی روابط کو بیان کیا ہے اسی طرح حکومت و سیاست میں حکمرانوں اور عوام کے باہمی تعلق اور ہر ایک کے حقوق اور ذمہ داریوں کو بھی بیان فرمایا ہے بنا بریں معاشرتی اور سیاسی میدان سے اسلام کو حذف کرنا اوراسے انفرادی زندگی اور گوشہ نشینی کی طرف مائل کرنے والا دین قرار دینا اسے اپنی حقیقت سے جدا کرنے کے مترادف ہے۔

امام خمینیؒ ان بلند پایہ علماء اور فقہاء میں سے تھے جنہوں نے اسلام کے اجتماعی اور معاشرتی پہلو پر خاص توجہ دی اور اس بات پر مصر تھے کہ اسلام کو راہبانہ دین قرار دینا در حقیقت اغیار اور استعماری طاقتوں کی سازش ہے جن کی کوشش ہے کہ اس فکر کے ذریعہ اسلامی ممالک کی پسماندگی کے اسباب فراہم کئے جائیں۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں اسلام ان مجاہدین کا دین ہے جو حق و عدالت کے خواہاں ہیں ان لوگو ں کا دین ہے جو آزادی اور استقلال کے

چاہنے والے ہیں ، یہ استعمار کے خلاف جہد و جہد کرنے والوں کا مکتب ہے لیکن انہوں نے اسلام کوایک اور طرح سے پیش کیا ہے اور پیش کرتے ہیں ۔ لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کا غلط تصور ڈالا ہے علمی مدارس میں اس کی شکل مسخ کرکے پیش کی گئی ہے ، تا کہ اسلام کی جاودانی اور انقلابی خصوصیات کو اس سے چھین لیا جائے مثلا یہ تبلیغ کر رہے ہیں کہ اسلام معاشرتی دین نہیں ہے ، دین حیات نہیں ہے، اس کے پاس معاشرتی نظام نہیں ہے ، کوئی قانون نہیں ہے ، کوئی حکومتی دستور نہیں ہے اور نہ ہی حکمرانی کا کوئی لائحہ عمل ہے[45]

اسلام ایک اجتماعی اور معاشرتی دین ہے ، اس کی حکومت و فرمانروائی انفرادی زندگی سے وسیع ترہے اوریہ مختلف اجتماعی اور سیاسی روابط پر مشتمل ہے

[45] ولایت فقیہ ، ص 4

(۱) استقرائی روش کے ساتھ ہم کتاب و سنت میں غور کرتے ہیں اور مختلف فقہی ابواب میں دینی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں ،اس تدریجی اور ہمہ گیر جستجو سے واضح ہو جائے گا کہ بعض صوفیانہ اور راہبانہ ادیان جیسے بدھ مت اور مسیحیت کے بعض فرقوں کی طرح کیا اسلام بھی ایک انفرادی دین ہے کہ جس کا معاشرتی اور اجتماعی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے ؟

یا عبودیت ، خدا کے سامنے انسان کی بندگی کی کیفیت کے بیان ، لوگوں کے باہمی تعلقات ، اخلاقیات اور معنوی زندگی کے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نے انسان کی اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بھی اظہار نظر کیا ہے اور انسان کی اجتماعی زندگی کے مختلف ابعاد میں سے ایک ،مسئلہ حکومت و سیاست بھی ہے ۔اس طرز جستجو کو ہم روش درون دینی کا نام دیتے ہیں کیونکہ اس میں ہم اپنے سوال کا جواب براہ راست اندرون و باطن دین یعنی قرآن و سنت جو کہ اس کے اصلی منابع ہیں سے دریافت کریں گے

(۲) سیاست اور اجتماعی زندگی میں اسلام کے دخیل ہونے کے اثبات کا دوسرا طریقہ اس دین مبین کے بعض اوصاف اور خصوصیات میں جستجو کرناہے۔اسلام کا بعض خصوصیات سے متصف ہونا ، مثلا یہ دین کامل ہے ، دین خاتَم ہے ، اس کی آسمانی کتاب یعنی قرآن کریم ہرشئ کی وضاحت کرنے والی ہے اور ان تمام امور پر مشتمل ہے جن پر انسان کی ہدایت اور سعادت موقوف ہے اس کا عقلی اور منطقی لازمہ یہ ہے کہ یہ دین اجتماعی امور میں دخالت رکھتاہے۔

اس استدلال سے معلوم ہوتاہے کہ کمال دین اوراس کے قلمرو میں حکومت اور اجتماعی امور کا داخل ہونالازم و ملزوم ہیں اوراجتماعی امور اور سیاست میں دین کا راہنمائی نہ کرنا اس کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔

روش درون دینی

1348ھ ش میں نجف اشرف میں جب امام خمینیؒ نے دینی حکومت کے متعلق ابحاث شروع کیں تو اسی پہلے طریقے سے سیاست اور اجتماعی امور میں اسلام کی دخالت پر استدلال کیا۔ انہوں نے اس نکتہ پر زور دیا کہ اسلامی قوانین اور شرعی احکام کی ماہیت اور کیفیت بتاتی ہے کہ یہ قوانین اسلامی معاشرہ کے سیاسی ، اقتصادی اور ثقافتی امور کو منظم کرنے کیلئے بنائے گئے ہیں اور یہ احکام حکومت کی تشکیل کے بغیر قابل اجرا نہیں ہیں ۔ اس قسم کے احکام کے اجرا کیلئے مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک حکومت تشکیل دیں۔اس قسم کے احکام اسلامی فقہ کے تمام ابواب میں بکھرے ہوئے ہیں بطور نمونہ ایسے بعض احکام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :ان میں سے ایک مورد "اسلام کے مالی احکام" ہیں اسلام میں جو مالیات مقرر کئے گئے ہیں وہ صرف غرباء اور سادات کی ضروریات پوری کرنے کیلئے نہیں ہیں بلکہ ایک عظیم حکومت کی

تشکیل او راس کے ضروری اخراجات پورے کرنے کیلئے بھی ہیں کیونکہ وہ اموال جن کا تعلق مسلمانوں کے بیت المال سے ہے ان میں سے ایک "خمس" ہے۔

فقہ اہلبیتؑ کے مطابق زرعی منافع ،کاروبار، زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے موجود تمام ذرائع آمدنی میں سے اور بطور کلی ہر قسم کے فائدے اور منفعت میں سے عادلانہ طور پر خمس لیا جاتاہے ۔ واضح سی بات ہے کہ اس قدر کثیر در آمد ایک اسلامی مملکت کو چلانے اور اس کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کیلئے ہے وگرنہ اس قدر سرمایہ فقیر سادات کی ضروریات سے بہت زیادہ ہے ۔

اس قدر وسیع بجٹ جبکہ اس کے ساتھ اموال زکوۃ بھی ہوں در حقیقت ایک معاشرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ہے "جزیہ" جو کہ ذمی کفار سے لیا جاتا ہے اور اسی طرح زرعی محصولات بھی ایک بڑی درآمد کو تشکیل دیتے ہیں۔ یہ تمام امور اس بات کی نشاندہی

کرتے ہیں کہ اس قسم کے تمام مالی منابع ایک معاشرہ کی ضروریات کو پورا کرنے اور حکومت کو تشکیل دینے کیلئے ہیں ۔

دوسرا مورد وہ احکام ہیں جو اسلامی نظام کی حفاظت اور اسلامی سرزمین اور ملت مسلمہ کے استقلال کے دفاع کیلئے بنائے گئے ہیں انہی دفاعی احکام میں سے ایک ، قرآن مجید کی اس آیت شریفہ "و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل" میں بیان کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ وہ ہر قسم کے خطرہ سے پہلے اپنی فوجی و دفاعی قوت کو مہیا کرلیں اوراپنی حفاظت کا سامان پہلے سے تیار رکھیں۔ اس قسم کا ایک اور نمونہ اسلام کے عدالتی اور انسانی حقوق کے متعلق احکام میں دیکھا جاسکتاہے۔ اس قسم کے بہت سارے احکام یا"دیات" ہیں کہ جنہیں لیکر حق داروں کو دینا ہوتاہے یا"حدود و قصاص"ہیں کہ جنہیں اسلامی حاکم کے زیر نظر اجرا کیا جاتاہے اور اس قسم کے امور ایک حکومت کی تشکیل کے بغیر قابل عمل نہیں

ہیں۔یہ تمام قوانین حکومت کے ساتھ مربوط ہیں اور حکومتی قوت کے بغیر ایسے اہم امور کو کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

فلسفہِ سیاسی و فقہِ سیاسی

اسلام سیاسی ابعاد کا حامل دین ہے اور اس کی بعض تعلیمات حکومت اور سیاست کے ساتھ مخصوص ہیں۔یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا سیاسی تفکر کن شعبوں پر مشتمل ہے ؟

مجموعی طور پر اسلام کے سیاسی تفکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۱) " اسلام کا سیاسی فلسفہ " (۲)" اسلام کی سیاسی فقہ " کا نام دیتے ہیں ۔

ہر سیاسی مکتب فکر کو چند بنیادی سوالات کا جواب دینا ہوتا ہے ، ایسی مباحث کو "فلسفہِ سیاسی" کا نام دیا جاتا ہے ،اسلام کے سیاسی تفکر کو بھی ایک خاص علمی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے اور دنیائے سیاست کے ان بنیادی سوالات کے مناسب اور مخصوص جوابات دینا چاہیے۔

اسلام کے سیاسی تفکر کا دوسرا حصہ یعنی "فقہِ سیاسی" یا "فقہ الحکومۃ" حکومت کی نوعیت اور اسکی شکل و صورت ، حکمرانوں کے مقابلے میں عوام کے حقوق ، حکومت اور حکمرانوں کے سلسلہ میں عوام کی ذمہ داریاں ، مذہبی اقلیتوں کے حقوق اور اسلامی حکوت (دار الاسلام) کے غیر اسلامی حکومتوں (دارالکفر) کے ساتھ تعلقات جیسی ابحاث پر مشتمل ہے باالفاظ دیگر پہلا حصہ علمی و بنیادی سیاست کی مباحث پر مشتمل ہے جبکہ یہ حصہ عملی سیاست اور معاشرے کے انتظامی و اجرائی امور کے زیادہ قریب ہے۔

اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کا ایک سیاسی فلسفہ اور سیاسی فقہ موجود ہے۔ مکاتبِ اسلامی کے تفاوت کے اعتبار سے جزئیات میں فرق ہے مگر اس بنیاد پہ تمام مسالک و مکاتیب متفق ہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو نافذ العمل ہونے کے لیے حکومت کی تشکیل کا تقاضا کرتا ہے۔

شیعوں کا سیاسی تفکر

سیاسی ولایت کے سلسلہ میں آنحضرت(ص) کی رحلت کے بعد شیعہ "نظریہ امامت" کے معتقد ہیں۔ شیعہ معتقد ہیں کہ ائمہ معصومین ؑ صرف سیاسی ولایت اور شان ومنزلت کے حامل نہیں تھے بلکہ ان کا ایمان ہے کہ ائمہ معصومین وحی الٰہی کے علاوہ آنحضرت (ص) کی تمام صفات وکمالات میں آپ (ص) کے جانشین ہیں۔ ائمہ معصومین ؑ سیاسی ولایت سمیت ولایت معنوي، معاشرہ کی دینی راہنمائي اور لوگوں کو دینی حقائق کی تعلیم دینے جیسی خصوصیات کے بھی حامل ہیں۔ وہ رسول اللہ (ص) کے حقیقی خلفاء، وارث اور جانشین ہیں اور اس وراثت کا لازمہ یہ ہے کہ معنوی، علمی اور سیاسی اوصاف میں رسول اللہ (ص) کے بعد ائمہ معصومین ؑ تمام لوگوں سے افضل ہوں اور امامت اور خلافت نبوی کے منصب کیلئے اپنے دور کے تمام افراد سے زیادہ شائستہ ہوں۔

اسی وجہ سے اہلسنت کے بعض علماء نے شیعہ کی تعریف میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ ابن حزم " اہل تشیع" کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"و مَن وافق الشیعة فی أنّ علیّاً أفضل الناس بعد رسول اللہ (ص) و أحقّھم بالامامة و وُلده من بعده،فھوشیعی و إنخالفھُم فیما عدا ذلکم ما اختلف فیھا لمسلمون، فإن خالَفَھُم فیما ذکرنا فلیس شیعیّاً"

جو شخص شیعوں کی اس بات سے اتفاق کرتا ہے کہ رسولخدا(ص) کے بعد علی سب سے افضل ہیں اور آپ(ع) اور آپ(ع) کی اولاد دوسروں سے زیادہ حقدار امامت ہے وہ شیعہ ہے اگرچہ مسلمانوں کے نزدیک مورد اختلاف دیگر چیزوں میں شیعوں سے اختلاف رائے رکھتاہو اور اگر وہ اس چیز میں شیعوں سے اتفاق نہیں کرتا جسے ہم نے ذکر کیاہے تو وہ شیعہ نہیں ہے۔

نظامِ امامت میں حاکم بھی اللہ کا منتخب کردہ ہوتا ہے اور قانون (شریعت) بھی اللہ کی نازل کردہ ہوتی ہے، کیونکہ نظامِ امامت کے ذریعے اللہ کی توحید و حاکمیت کا معاشرے میں نفاذ ہوناہے۔ اگر امامِ معصومؑ غیبت میں چلا جائے تو بھی سلسلہِ ولایتِ مومنین معطل یا کالعدم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس طرح دین کا وہ واحد ذریعہِ تنفیذا معطل و کالعدم قرار پائے ور حاکمیت وولایتِ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور بندگان کے درمیان سلسلہ معطل و کالعدم قرار پائے گا جو کہ ممکن نہیں ہے اور غیبتِ معصومؑ میں جامع الشرائط فقیہ دین اس ولایت کے سلسلے کو بڑھائے گا اور معصوم امامؑ کی آمدِ ثانی تک فقیہ دین کے پاس نیابتی حقِ حاکمیت ہو گا، جسکو ولایتِ فقیہ کہتے ہیں۔

نظامِ امامت کے بنیادی اہداف:

پہلا ہدف : اس میں وہی اہداف اور عملی فوائد بیان کرتے ہیں جنہیں اہل سنت حضرات بیان کرتے ہیں۔پس اس بنا پر مسلمانوں کے معاشرتی نظام کی حفاظت اور عدل و انصاف کا قیام۔اس بنیاد بر مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی حفاظت، معاشرے میں عدل و انصاف برقرار کرنا، احکام اسلامی کو وجود بخشنا خاص طور پر جن احکام میں معاشرتی پہلو کا جنبہ موجود ہوتا ہے، حدود الہی کو نافذ کرنا امامت کے اہداف میں سے ہیں۔[46]

دوسرا ہدف : اہم ترین ہدف کو تشکیل دیتا ہے جو شریعت کی وضاحت، حفاظت اور اسے لوگوں تک پہنچانے پر مشتمل ہے۔

امامت منصوص من اللہ، امام کا انتخاب اللہ کرتا ہے، امام علیؑ تا امام مہدیؑ اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب الاطاعت اوصیائے رسول اللہ ﷺ اور آئمہ معصومینؑ کی ہیں وغیرہ کی تفصیلات کے لیے

---

[46] الاَلفین، ص۷-۸

الغدیر۔ عبقات الانوار۔ المراجعات۔ النص والاجتهاد۔ احقاق الحق۔ شب ھائے پیشاور۔ اثبات الھداۃ۔ منھاج الکرامہ۔ الھدایۃ الکبری۔ الخرائج والجرائح۔ الافصاح فی الامامہ۔ دلائل الامامہ الکافی کتاب الحجت۔ إعتقادات الإمامیۃ۔ امامت ورھبری۔ شمیم ولایت، تفسیر ولایی قرآن کریم۔ ولایت در کتاب وسنت۔ آفتاب صداقت۔ خیر البریہ وغیرہ سے رجوع کریں۔

امامت کے باب میں کامل ترین حدیث جو کہ تمام تر شکوک وشبہات کو رد کر دیتی ہے وہ (مصنف کی نگاہ میں) امام علی ابن موسی الرضاؑ کی حدیثِ شہرِ مرو ہے۔ اس حدیث میں اسلام کی کاملیت، نظامِ اسلامی کی ماہیت، بے نظام دینداری کی حقیقت، امامت کی عظمت ومنزلت کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔[47]

أَبُو مُحَمَّدٍ الْقَاسِمُ بْنُ الْعَلَاءِ رَحِمَهُ اللَّهُ رَفَعَهُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ الرِّضَا ع بِمَرْوَ فَاجْتَمَعْنَا فِي الْجَامِعِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي بَدْءِ مَقْدَمِنَا فَأَدَارُوا أَمْرَ الْإِمَامَةِ وَ ذَكَرُوا كَثْرَةَ اخْتِلَافِ النَّاسِ فِيهَا فَدَخَلْتُ عَلَى سَيِّدِي ع فَأَعْلَمْتُهُ خَوْضَ النَّاسِ فِيهِ فَتَبَسَّمَ ع ثُمَّ قَالَ يَا عَبْدَ الْعَزِيزِ جَهِلَ الْقَوْمُ وَ

---

[47] اس حدیث کی شرح پہ آڈیو ویڈیو لیکچرز حاصل کرنے کے لیے www.islamimarkaz.com سے رجوع فرمائیں

خُدِعُوا عَنْ آرَائِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَمْ يَقْبِضْ نَبِيَّهُ ص حَتَّى أَكْمَلَ لَهُ الدِّينَ وَ أَنْزَلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ فِيهِ تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ بَيَّنَ فِيهِ الْحَلَالَ وَ الْحَرَامَ وَ الْحُدُودَ وَ الْأَحْكَامَ وَ جَمِيعَ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ النَّاسُ كَمَلًا فَقَالَ عَزَّ وَ جَلَّ- ما فَرَّطْنا فِي الْكِتابِ مِنْ شَيْءٍ وَ أَنْزَلَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَ هِيَ آخِرُ عُمُرِهِ ص الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلامَ دِيناً وَ أَمْرُ الْإِمَامَةِ مِنْ تَمَامِ الدِّينِ وَ لَمْ يَمْضِ ص حَتَّى بَيَّنَ لِأُمَّتِهِ مَعَالِمَ دِينِهِمْ وَ أَوْضَحَ لَهُمْ سَبِيلَهُمْ وَ تَرَكَهُمْ عَلَى قَصْدِ سَبِيلِ الْحَقِّ وَ أَقَامَ لَهُمْ عَلِيّاً ع عَلَماً وَ إِمَاماً وَ مَا تَرَكَ لَهُمْ شَيْئاً يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْأُمَّةُ إِلَّا بَيَّنَهُ فَمَنْ زَعَمَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَمْ يُكْمِلْ دِينَهُ فَقَدْ رَدَّ كِتَابَ اللَّهِ وَ مَنْ رَدَّ كِتَابَ اللَّهِ فَهُوَ كَافِرٌ بِهِ هَلْ يَعْرِفُونَ قَدْرَ الْإِمَامَةِ وَ مَحَلَّهَا مِنَ الْأُمَّةِ فَيَجُوزَ فِيهَا اخْتِيَارُهُمْ إِنَّ الْإِمَامَةَ أَجَلُّ قَدْراً وَ أَعْظَمُ شَأْناً وَ أَعْلَى مَكَاناً وَ أَمْنَعُ جَانِباً وَ أَبْعَدُ غَوْراً مِنْ أَنْ يَبْلُغَهَا النَّاسُ بِعُقُولِهِمْ أَوْ يَنَالُوهَا بِآرَائِهِمْ أَوْ يُقِيمُوا إِمَاماً بِاخْتِيَارِهِمْ إِنَّ الْإِمَامَةَ خَصَّ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِهَا إِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلَ ع بَعْدَ النُّبُوَّةِ وَ الْخُلَّةِ مَرْتَبَةً ثَالِثَةً وَ فَضِيلَةً شَرَّفَهُ بِهَا وَ أَشَادَ بِهَا ذِكْرَهُ فَقَالَ إِنِّي

جاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِماماً فَقَالَ الْخَلِيلُ ع سُرُوراً بِهَا – وَ مِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى – لا يَنالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ فَأَبْطَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ إِمَامَةَ كُلِّ ظَالِمٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ صَارَتْ فِي الصَّفْوَةِ ثُمَّ أَكْرَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِأَنْ جَعَلَهَا فِي ذُرِّيَّتِهِ أَهْلِ الصَّفْوَةِ وَ الطَّهَارَةِ فَقَالَ وَ وَهَبْنا لَهُ إِسْحاقَ وَ يَعْقُوبَ نافِلَةً وَ كُلًّا جَعَلْنا صالِحِينَ. وَ جَعَلْناهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنا وَ أَوْحَيْنا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْراتِ وَ إِقامَ الصَّلاةِ وَ إِيتاءَ الزَّكاةِ وَ كانُوا لَنا عابِدِينَ فَلَمْ تَزَلْ فِي ذُرِّيَّتِهِ يَرِثُهَا بَعْضٌ عَنْ بَعْضٍ قَرْناً فَقَرْناً حَتَّى وَرَّثَهَا اللَّهُ تَعَالَى النَّبِيَّ ص فَقَالَ جَلَّ وَ تَعَالَى – إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْراهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَ هذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ اللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ فَكَانَتْ لَهُ خَاصَّةً فَقَلَّدَهَا ص عَلِيّاً ع بِأَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى رَسْمِ مَا فَرَضَ اللَّهُ فَصَارَتْ فِي ذُرِّيَّتِهِ الْأَصْفِيَاءِ الَّذِينَ آتَاهُمُ اللَّهُ الْعِلْمَ وَ الْإِيمَانَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى – وَ قالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَ الْإِيمانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتابِ اللَّهِ إِلى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهِيَ فِي وُلْدِ عَلِيٍّ ع خَاصَّةً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِذْ لَا نَبِيَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ص فَمِنْ أَيْنَ يَخْتَارُ هَؤُلَاءِ الْجُهَّالُ إِنَّ الْإِمَامَةَ هِيَ مَنْزِلَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَ إِرْثُ الْأَوْصِيَاءِ إِنَّ الْإِمَامَةَ خِلَافَةُ اللَّهِ وَ خِلَافَةُ الرَّسُولِ ص وَ مَقَامُ أَمِيرِ

الْمُؤْمِنِينَ ع وَ مِيرَاثُ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ ع إِنَّ الْإِمَامَةَ زِمَامُ الدِّينِ وَ نِظَامُ

الْمُسْلِمِينَ وَ صَلَاحُ الدُّنْيَا وَ عِزُّ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ الْإِمَامَةَ أُسُّ الْإِسْلَامِ النَّامِي وَ

فَرْعُهُ السَّامِي بِالْإِمَامِ تَمَامُ الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ وَ الصِّيَامِ وَ الْحَجِّ وَ الْجِهَادِ وَ تَوْفِيرُ

الْفَيْءِ وَ الصَّدَقَاتِ وَ إِمْضَاءُ الْحُدُودِ وَ الْأَحْكَامِ وَ مَنْعُ الثُّغُورِ وَ الْأَطْرَافِ

الْإِمَامُ يُحِلُّ حَلَالَ اللَّهِ وَ يُحَرِّمُ حَرَامَ اللَّهِ وَ يُقِيمُ حُدُودَ اللَّهِ وَ يَذُبُّ عَنْ دِينِ

اللَّهِ وَ يَدْعُو إِلَى سَبِيلِ رَبِّهِ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ الْحُجَّةِ الْبَالِغَةِ

الْإِمَامُ كَالشَّمْسِ الطَّالِعَةِ الْمُجَلِّلَةِ بِنُورِهَا لِلْعَالَمِ وَ هِيَ فِي الْأُفُقِ بِحَيْثُ لَا

تَنَالُهَا الْأَيْدِي وَ الْأَبْصَارُ الْإِمَامُ الْبَدْرُ الْمُنِيرُ وَ السِّرَاجُ الزَّاهِرُ وَ النُّورُ

السَّاطِعُ وَ النَّجْمُ الْهَادِي فِي غَيَاهِبِ الدُّجَى وَ أَجْوَازِ الْبُلْدَانِ وَ الْقِفَارِ وَ لُجَجِ

الْبِحَارِ الْإِمَامُ الْمَاءُ الْعَذْبُ عَلَى الظَّمَإِ وَ الدَّالُّ عَلَى الْهُدَى وَ الْمُنْجِي مِنَ

الرَّدَى الْإِمَامُ النَّارُ عَلَى الْيَفَاعِ الْحَارُّ لِمَنِ اصْطَلَى بِهِ وَ الدَّلِيلُ فِي الْمَهَالِكِ مَنْ

فَارَقَهُ فَهَالِكٌ الْإِمَامُ السَّحَابُ الْمَاطِرُ وَ الْغَيْثُ الْهَاطِلُ وَ الشَّمْسُ الْمُضِيئَةُ

وَ السَّمَاءُ الظَّلِيلَةُ وَ الْأَرْضُ الْبَسِيطَةُ وَ الْعَيْنُ الْغَزِيرَةُ وَ الْغَدِيرُ وَ الرَّوْضَةُ

الْإِمَامُ الْأَنِيسُ الرَّفِيقُ وَ الْوَالِدُ الشَّفِيقُ وَ الْأَخُ الشَّقِيقُ وَ الْأُمُّ الْبَرَّةُ بِالْوَلَدِ

الصَّغِيرِ وَ مَفْزَعُ الْعِبَادِ فِي الدَّاهِيَةِ النَّآدِ الْإِمَامُ أَمِينُ اللّٰهِ فِي خَلْقِهِ وَ حُجَّتُهُ عَلَى عِبَادِهِ وَ خَلِيفَتُهُ فِي بِلَادِهِ وَ الدَّاعِي إِلَى اللّٰهِ وَ الذَّابُّ عَنْ حُرَمِ اللّٰهِ الْإِمَامُ الْمُطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوبِ وَ الْمُبَرَّأُ عَنِ الْعُيُوبِ الْمَخْصُوصُ بِالْعِلْمِ الْمَوْسُومُ بِالْحِلْمِ نِظَامُ الدِّينِ وَ عِزُّ الْمُسْلِمِينَ وَ غَيْظُ الْمُنَافِقِينَ وَ بَوَارُ الْكَافِرِينَ الْإِمَامُ وَاحِدُ دَهْرِهِ لَا يُدَانِيهِ أَحَدٌ وَ لَا يُعَادِلُهُ عَالِمٌ وَ لَا يُوجَدُ مِنْهُ بَدَلٌ وَ لَا لَهُ مِثْلٌ وَ لَا نَظِيرٌ مَخْصُوصٌ بِالْفَضْلِ كُلِّهِ مِنْ غَيْرِ طَلَبٍ مِنْهُ لَهُ وَ لَا اكْتِسَابٍ بَلِ اخْتِصَاصٌ مِنَ الْمُفْضِلِ الْوَهَّابِ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَبْلُغُ مَعْرِفَةَ الْإِمَامِ أَوْ يُمْكِنُهُ اخْتِيَارُهُ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ ضَلَّتِ الْعُقُولُ وَ تَاهَتِ الْحُلُومُ وَ حَارَتِ الْأَلْبَابُ وَ خَسَأَتِ الْعُيُونُ وَ تَصَاغَرَتِ الْعُظَمَاءُ وَ تَحَيَّرَتِ الْحُكَمَاءُ وَ تَقَاصَرَتِ الْحُلَمَاءُ وَ حَصِرَتِ الْخُطَبَاءُ وَ جَهِلَتِ الْأَلِبَّاءُ وَ كَلَّتِ الشُّعَرَاءُ وَ عَجَزَتِ الْأُدَبَاءُ وَ عَيِيَتِ الْبُلَغَاءُ عَنْ وَصْفِ شَأْنٍ مِنْ شَأْنِهِ أَوْ فَضِيلَةٍ مِنْ فَضَائِلِهِ وَ أَقَرَّتْ بِالْعَجْزِ وَ التَّقْصِيرِ وَ كَيْفَ يُوصَفُ بِكُلِّهِ أَوْ يُنْعَتُ بِكُنْهِهِ أَوْ يُفْهَمُ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِهِ أَوْ يُوجَدُ مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ وَ يُغْنِي غِنَاهُ لَا كَيْفَ وَ أَنَّى وَ هُوَ بِحَيْثُ النَّجْمُ مِنْ يَدِ الْمُتَنَاوِلِينَ وَ وَصْفِ الْوَاصِفِينَ فَأَيْنَ الِاخْتِيَارُ مِنْ هَذَا وَ أَيْنَ الْعُقُولُ

عَنْ هَذَا وَ أَيْنَ يُوجَدُ مِثْلُ هَذَا أَ تَظُنُّونَ أَنَّ ذَلِكَ يُوجَدُ فِي غَيْرِ آلِ الرَّسُولِ مُحَمَّدٍ ص كَذَبَتْهُمْ وَ اللَّهِ أَنْفُسُهُمْ وَ مَنَّتْهُمُ الْأَبَاطِيلَ فَارْتَقَوْا مُرْتَقًى صَعْباً دَحْضاً تَزِلُّ عَنْهُ إِلَى الْحَضِيضِ أَقْدَامُهُمْ رَامُوا إِقَامَةَ الْإِمَامِ بِعُقُولٍ حَائِرَةٍ بَائِرَةٍ نَاقِصَةٍ وَ آرَاءٍ مُضِلَّةٍ فَلَمْ يَزْدَادُوا مِنْهُ إِلَّا بُعْداً قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ * وَ لَقَدْ رَامُوا صَعْباً وَ قَالُوا إِفْكاً وَ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيداً وَ وَقَعُوا فِي الْحَيْرَةِ إِذْ تَرَكُوا الْإِمَامَ عَنْ بَصِيرَةٍ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَ كَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ رَغِبُوا عَنِ اخْتِيَارِ اللَّهِ وَ اخْتِيَارِ رَسُولِ اللَّهِ ص وَ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَى اخْتِيَارِهِمْ وَ الْقُرْآنُ يُنَادِيهِمْ - وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ ما يَشاءُ وَ يَخْتارُ ما كانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحانَ اللَّهِ وَ تَعالى عَمَّا يُشْرِكُونَ وَ قَالَ عَزَّ وَ جَلَ وَ ما كانَ لِمُؤْمِنٍ وَ لا مُؤْمِنَةٍ إِذا قَضَى اللَّهُ وَ رَسُولُهُ أَمْراً أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ الْآيَةَ وَ قَالَ - ما لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ أَمْ لَكُمْ كِتابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَما تَخَيَّرُونَ أَمْ لَكُمْ أَيْمانٌ عَلَيْنا بالِغَةٌ إِلى يَوْمِ الْقِيامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَما تَحْكُمُونَ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذلِكَ زَعِيمٌ أَمْ لَهُمْ شُرَكاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكائِهِمْ إِنْ كانُوا صادِقِينَ وَ قَالَ عَزَّ وَ جَلَّ - أَ فَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلى قُلُوبٍ

أَقْفالُها أَمْ طَبَعَ اللَّهُ عَلى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لا يَفْقَهُونَ أَمْ قالُوا سَمِعْنا وَ هُمْ لا

يَسْمَعُونَ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُ الْبُكْمُ الَّذِينَ لا يَعْقِلُونَ وَ لَوْ عَلِمَ

اللَّهُ فِيهِمْ خَيْراً لَأَسْمَعَهُمْ وَ لَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَ هُمْ مُعْرِضُونَ أَمْ قالُوا سَمِعْنا

وَ عَصَيْنا بَلْ هُوَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشاءُ وَ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ فَكَيْفَ

لَهُمْ بِاخْتِيَارِ الْإِمَامِ وَ الْإِمَامُ عَالِمٌ لَا يَجْهَلُ وَ رَاعٍ لَا يَنْكُلُ مَعْدِنُ الْقُدْسِ وَ

الطَّهَارَةِ وَ النُّسُكِ وَ الزَّهَادَةِ وَ الْعِلْمِ وَ الْعِبَادَةِ مَخْصُوصٌ بِدَعْوَةِ الرَّسُولِ ص

وَ نَسْلِ الْمُطَهَّرَةِ الْبَتُولِ لَا مَغْمَزَ فِيهِ فِي نَسَبٍ وَ لَا يُدَانِيهِ ذُو حَسَبٍ فِي

الْبَيْتِ مِنْ قُرَيْشٍ وَ الذِّرْوَةِ مِنْ هَاشِمٍ وَ الْعِتْرَةِ مِنَ الرَّسُولِ ص وَ الرِّضَا مِنَ

اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ شَرَفُ الْأَشْرَافِ وَ الْفَرْعُ مِنْ عَبْدِ مَنَافٍ نَامِي الْعِلْمِ كَامِلُ

الْحِلْمِ مُضْطَلِعٌ بِالْإِمَامَةِ عَالِمٌ بِالسِّيَاسَةِ مَفْرُوضُ الطَّاعَةِ قَائِمٌ بِأَمْرِ اللَّهِ عَزَّ

وَ جَلَّ نَاصِحٌ لِعِبَادِ اللَّهِ حَافِظٌ لِدِينِ اللَّهِ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ وَ الْأَئِمَّةَ ص يُوَفِّقُهُمُ

اللَّهُ وَ يُؤْتِيهِمْ مِنْ مَخْزُونِ عِلْمِهِ وَ حِكَمِهِ مَا لَا يُؤْتِيهِ غَيْرَهُمْ فَيَكُونُ عِلْمُهُمْ

فَوْقَ عِلْمِ أَهْلِ الزَّمَانِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى أَ فَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ

لا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدى فَما لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ وَ قَوْلِهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى- وَ

مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً وَ قَوْلِهِ فِي طَالُوتَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفاهُ عَلَيْكُمْ وَ زادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ وَ اللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشاءُ وَ اللَّهُ واسِعٌ عَلِيمٌ وَ قَالَ لِنَبِيِّهِ ص- أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ ما لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيماً وَ قَالَ فِي الْأَئِمَّةِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّهِ وَ عِتْرَتِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ ص أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلى ما آتاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنا آلَ إِبْراهِيمَ الْكِتابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ آتَيْناهُمْ مُلْكاً عَظِيماً فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَ مِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَ كَفى بِجَهَنَّمَ سَعِيراً وَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اخْتَارَهُ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ لِأُمُورِ عِبَادِهِ شَرَحَ صَدْرَهُ لِذَلِكَ وَ أَوْدَعَ قَلْبَهُ يَنَابِيعَ الْحِكْمَةِ وَ أَلْهَمَهُ الْعِلْمَ إِلْهَاماً فَلَمْ يَعْيَ بَعْدَهُ بِجَوَابٍ وَ لَا يُحَيَّرُ فِيهِ عَنِ الصَّوَابِ فَهُوَ مَعْصُومٌ مُؤَيَّدٌ مُوَفَّقٌ مُسَدَّدٌ قَدْ أَمِنَ مِنَ الْخَطَايَا وَ الزَّلَلِ وَ الْعِثَارِ يَخُصُّهُ اللَّهُ بِذَلِكَ لِيَكُونَ حُجَّتَهُ عَلَى عِبَادِهِ وَ شَاهِدَهُ عَلَى خَلْقِهِ وَ ذلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشاءُ وَ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ فَهَلْ يَقْدِرُونَ عَلَى مِثْلِ هَذَا فَيَخْتَارُونَهُ أَوْ يَكُونُ مُخْتَارُهُمْ بِهَذِهِ الصِّفَةِ فَيُقَدِّمُونَهُ تَعَدَّوْا وَ بَيْتِ اللَّهِ الْحَقِّ وَ نَبَذُوا كِتابَ اللَّهِ وَراءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لا يَعْلَمُونَ وَ فِي كِتَابِ اللَّهِ

الْهُدَى وَ الشِّفَاءُ فَنَبَذُوهُ وَ اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ فَذَمَّهُمُ اللَّهُ وَ مَقَّتَهُمْ وَ أَتْعَسَهُمْ فَقَالَ جَلَّ وَ تَعَالَى- وَ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَواهُ بِغَيْرِ هُدىً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ وَ قَالَ فَتَعْساً لَهُمْ وَ أَضَلَّ أَعْمالَهُمْ وَ قَالَ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللَّهِ وَ عِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ وَ صَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ تَسْلِيماً كَثِيراً. [48]

عبد العزیز بن مسلم نے بیان کیا ہے کہ ہم مقام مرو میں امام رضا(ع) کے ساتھ تھے ہم روز جمع اپنے آنے کے آغاز میں جامع مسجد میں جمع تھے ہم نے امامت کا ذکر چھیڑا اور اس بارے میں جو اختلاف بکثرت ہے اس کا ذکر کیا ہے میں امام رضا(ع) کی خدمت میں آیا اور امامت کے بارے میں لوگوں کے غور و فکر کو بتایا۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا۔ اے عبد العزیز قوم جہالت کا شکار ہے اور انھوں نے اپنی رائے میں دھوکا کھایا ہے خداوند عالم نے اپنے نبی کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کیا جب تک دین کو کامل نہیں کیا اور قرآن کو نازل کیا جس میں ہر شی کا بیان ہے اور اس میں حلال اور حرام اور حدود و احکام کا بتایا گیا ہے اور وہ تمام باتیں بھی جن کی طرف لوگ محتاج ہیں اور اس نے فرمایا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا اور آنحضرت صلعم کی آخر عمر میں یہ آیت نازل کی کہ

---

[48] بَابٌ نَادِرٌ جَامِعٌ فِي فَضْلِ الْإِمَامِ وَ صِفَاتِهِ الكافی

آض ۃم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ اور امر امامت تمام دین سے ہے اور اور نہیں رحلت فرمائے حضرت نے یہاں تک کہ ظاہر کر یا اپنی امت پر دین کے احکام کو اور ان کا راستہ واضح کر دیا اور ان کو حق کی راہ پر لگا کر چھوڑ دیا تو اس نے کتاب خدا کو رد کیا اور جس نے ایسا کیا اس نے اس سے انکار کیا۔ کیا لوگ قدر امامت اور اور محل امامت کو پہچانتے ہیں کیا ان کو اس کے متلق اختیار دیا گیا ہے امامت از روئے قدر و منزلت بہت اجل وارفع ہے اور از روئے شان بہت عظیم ہے اور بلحاظ محل و مقام بہت بلند ہے۔ اور اپنی طرف غیر کو آنے سے منع ہے اور اس کا مفہوم بہت گہرا ہے لوگوں کی عقلیں اس تک پہنچ نہیں سکتی اور ان کی راہیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ اپنے اختیار سے اپنے امام کو نہیں بنا سکتے۔ اللہ تعالی نے ابراہیم خلیل کو امامت سے مخصوص کیا۔ نبوت اور خلت کے بعد امامت کا تیسرا مرتبہ ہے خدا نے ابراہیم کو اس کا شرف بخشا اور اس کا یوں ذکر کیا ہیں تم لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ خلیل نے خوش ہو کر کہا اور میری اولاد کو امام بنائیگا فرمایا ظالم میرے عہدے کو پا نہیں سکیں گے۔

اس آیت نے قیامت تک کے لئے ہر ظالم کی امامت کو باطل کر دیا او اس کو اپنے برگزیدہ لوگوں میں قرار دیا اور پھر ابراہیم کو اللہ تعالی نے شرف بخشا اور اس طرح کے ان کی اولاد میں صاحب صفوت و طہارت لوگ پیدا کئے اور فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحاق و

یعقوب عطا کئے جیسا کہ انھوں نے طلب کیا اور ان سب کو صالح بنایا وہ ہمارے امر کی ہدایت کرتے اور ہم ان کی طرف نیک کاموں کی، نماز قائم کرنے کی، اور زکوٰہ دینی کی وحی کی، بس عہد امامت ان کی ذریت میں بطور میراث ایک دوسری کی طرف چلا، صدیوں تک یہاں تک کہ پھر اس کے وارث نبی صلعم ہوئے جیسا کہ فرمایا تمام لوگوں میں بہتر وہ ہیں جنھوں نے ابراہیم کا اتباع کیا اور یہ نبی جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا ولی ہے پس یہ چیز آنحضرت کے لئے خاص ہو گئی پھر یہ عہدہ مخصوص ہوا۔ علی (ع) سے بامر خدا اس رسم کی بناء پر جو اللہ نے فرض کی ہے پس ان کی اولاد میں وہ اصفیاء ہوئے جن کو اللہ نے علم وایمان دیا۔

جیسا کہ فرماتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جن کو علم وایمان دیا گیا اور روز قیامت ان سے کہا جائیگا تم کتاب خدا کے ساتھ رہے رز قیامت تک، کیونکہ محمد مصطفی کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں پس اس صورت میں ان جاہلوں کو امام بنانے کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا۔

امامت منزلت انبیاء ہے امامت اللہ کی خلافت ہے اور رسول کی جانشینی ہے اور مقام امیر المومنین ہے اور میراث حسن اور حسین (ع) ہے۔

امامت زمام دین ہے اور نظام مسلمین ہے اور اس سے امور دنیاں کی درستی ہے اور مومنین کی عزت ہے امامت ترقی کرنے والا امام کا سر ہے اور اس کی بلند شاخ امام ہی سے نماز، کوٰہ وصوم حج وجہاد کا تعق ہے وہی مال غنیمت کا مالک ہے وہی صدقات کا وارث ہے

وہی حدود احکام کا جاری کرنے والا ہے وہی حدود اطراد اسکام کی حفاظت کرنے والا ہے امام حلال کرتا ہے حلال خدا کو اور حرام کرتا ہے حرام خدا کو اور قائم کرتا ہے حدود اللہ کو اور دفع کرتا ہے دشمنوں کو دین خدا سے اور بلاتا ہے لوگوں کو دین خدا کی طرف، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور وہ راہ خدا کی پوری پوری حجت ہیں امام چڑھتا سورج ہے جو اپنی روشنی سے علم کو جگمادیتا وہ ایسے مقام بلند پر ہے کہ لوگوں کے ہاتھ اور ان کی نگاہ ہیں وہاں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ امام روشن چاند ہے اور ضیاء بار چراغ ہے اور چمکتا چراغ ہے تا نور ہے ہدایت کرنے والا اور ستارہ ہے ضلالت کی تاریکیوں میں اور شہروں کے درمیان جنگلوں اور سمندروں کی گہرائیوں میں راہ بتانے والا امام چشمہ آب شیرین ہے پیاسے کے لئے رہنمائی کرنے والا ہے (بیابانوں میں) اور ہلاکت سے نجات دینے والا ہے اور وہ اس آگ کی مانند ہے جو کسی بلندی پر لوگوں کو راستہ دیکھانے کے لئے روشن کی جائے اور مہلکوں میں صحیح راستہ بتانے والا ہے جو اس سے الگ رہا وہ ہلاک ہوا۔

امام برسنے والے بادل ہیں اور زور کی ردڈالنے والا ابر ہے وہ آفتاب درخشاں ہے وہ سایہ فگن آسمان ہے وہ ہدایت کی کشادہ زمین ہے وہ آبلنے والا چشمہ ہے وہ تالاب وہ باغ ہے۔ امام مومن کے لئے مھربان ساتھی ہے شفیق باپ ہے اور اس کا بھائی ہے اور ایسا ہمدرد اور مہربان ہے جیسے نیک ماں اپنے چھوٹے بچے پر، اور بندوں کا فریادرس ہے مصائب و آلام ہیں،

امام خدا کا امین ہے اس کی مخلوق میں اس کی حجت ہے اس کے بندوں پر اور خدا کا خلیفہ ہے شہروں میں اور اللہ کی طرف سے دعوت دینے والا ہے اور حرم خدا سے دشمنوں کا دور کرنے والا ہے۔

امام گناہوں سے پاک ہوتا ہے جملہ عیوب سے بری وہ علم سے مخصوص اور حلم سے موصوم ہوتا ہے وہ دین کے نظام کو درست کرنے والا ہے مسلمانوں کی عزت ہے، منافقوں کے لئے غیض وغضب اور کافروں کے لئے ہلاکت۔

امام اپنے زمانے میں واحد یگانہ ہوتا ہے کوئی فضل وکمال میں اس کے نزدیک بھی نہیں ہوتا اور نہ کوئی دعالم اس کے مقابلے کا ہوتا ہے نہ اس کا بدل پایا جاتا ہے نہ اس کا مثل و نظیر ہے وہ بغیر اکتساب اور خدا سے طلب کے ساتھ ہر قسم کی فضیلت سے مخصوص ہوتا ہے یہ اختصاص اس کے لئے خدا کی طرف سے ہوتا ہے پس کون معرفت تامہ امام حاصل کر سکے یا امام بنانا اس کے اختیار میں ہو۔ہائے ہائے لوگوں کی عقلیں گمراہ ہوگئی ہیں اور فہم وادراک سرگشتہ اور پریشان ہیں اور عقول حیران ہیں اور آنکھیں ادراک سے قاصر ہیں اور عظیم المرتبت لوگ اس امر میں حقیر ثابت ہوئے اور حکماں حیران ہوگئے اور ذی عقل چکرا گئے اور خطیب لوگ عاجز ہوگئے عقول پر جہالت کا پردہ پڑ گیا اور شعراء تھک کر رہ گئے اور اہل ادب عاجز ہوگئے اور صاحبان بلاغت عاجز آئے۔امام کی کسی ایک شان کو بیان نہ کر سکے اور اس کی کسی ایک فضیلت کی تعریف نی کر سکے انھوں نے اپنی عجز کا

اقرار کیا اپنی کوتاہی کے قائل ہوئے۔ پس جب امام کی ایک وصف کا یہ حال ہے تو اس کی تمام صفات کو کس کی طاقت ہے کہ بیان کر سکے اور ان کے حقائق پر روشنی ڈالے۔ یا اس امر امامت کے متعلق کچھ سمجھ سکے یا کوئی ایسا آدمی پا سکے کہ وہ امر دین میں سے اسے بے پروا کر سکے ایسا کیسے ہو سکتا ہے، در آنحالیکہ امام کا مرتبہ ثریا ستارہ سے بلند ہے پکڑنے والا اس مرتبہ کو کیسے پکڑ سکتا ہے اور وصف بیان کرنے والا کیوں کر اس کا وصف بیان کر سکتے ہیں، ایسی صورت میں امام سازی مین بندوں کا اختیار کیا اور عقلوں کی رسائی کے ابرہ میں کہاں اور امامت جیسی چیز اور کون سی ہے۔

کیا تم یہ یکساں کر سکتے ہو کہ یہ امامت آل رسول کے غیر میں پائی جاتی ہے واللہ لوگوں کے نفسوں نے ان کو جھٹلایا ہے اور ان نفسوں نے ان کو انتہائی باطل امور میں پھانس رکھا ہے وہ اوپر کو چڑھے سخت چڑھائی، پھر ان کی قدم پستی کی طرف پھیلے، انھوں نے امام بنانے کا ارادا کیا تباہ کرنے والی ناقص عقلوں سے اور گمراہ کرنے والی راویوں سے، پس حقیقی امام سے ان کا بعد بڑھتا ہی گیا، خدا ان کو ہلاک کریں یہ کہاں بھکے جا رہے ہیں انھوں نے سخت کا ارادرا کیا اور افترا پردازی کی اور بہت خوفناک گمراہی میں پڑ گئے اور حیرت کے بھنور میں پھنس گئے جبکہ انھوں نے امام کو بصیرت سے لینا ترک کیا اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں زینت دے دی اور ان کو صحیح راستہ سے ہٹا دیا اور وہ صاحبان عقل تھے انھوں نے نفرت کی، انتخاب خدا اور رسول اور اہل بیت رسول

سے ے اور اپنے انتخاب کو پسند کیا حالانکہ قرآن ان سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے لوگوں کو اس میں داخل نہیں، لائق تسبیح ہے اللہ شرک سے پاک ہے اور فرماتا ہے جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کو طے فرمادیں تو کسی مومن ومومنہ کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار حاصل نہیں اور اللہ نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا۔ تم خو کیسا حکم لگاتے ہو۔

آیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ اور کتاب ہے جس کا تم درس لیتے ہو کیا تمہارے لئے اس میں کوئی ایسی چیز ہے جس کو تم خبر دیتے ہو یا تمہارا اہم سے روز قیامت تک کے لئے کوئی معادہ ہے کہ تم اس کے متعلق حکم کرتے ہو۔ اے رسول تم ان سے پوچھو کہ کہ کون ان میں ان عہدوں کا ضامن ہے کیا ان کے لئے خدا کے شریک ہیں پس اگر تم سچے ہو تو اپنے شریکوں کو بلاؤ، فرماتا ہے کیا یہ لوگ آیات قرآنی میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے قلوب پر تالے پڑے ہوئے ہیں یا ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے کہ وہ نہیں سمجھتے، کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ خدا کے نزدیک روئے زمین پر بدترین چلنے والے گونگے بہرے ہیں جو سمجھتے ہی نہیں اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بہتری ہے تو ضرور ان کو سناتا لیکن اگر وہ سنتے تو البتہ روگردانی کر کہ بھاگ جاتے یا انھوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی، بلکہ یہ تو خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

پس اس صورت میں امام کے متعلق ان کا اختیار کیا۔

امام عالم ہوتا ہے کسی چیز سے جاہل نہیں،

امور دین کی رعایت کرنے والا ہوتا ہے توقف نہیں کرتا،

معدن قدس وطہارت ہوتا ہے،

صاحب عبادت وزہد ہوتا ہے،

صاحب علم وعبادت ہوتا ہے،

دعائے رسول سے مخصوص ہوتا ہے،

نسل سیدہ طاہرہ ومعصوم سے ہوتا ہے،

اس کے نصب میں کھوٹ نہیں ہوتی،

کوئی شرافت نصب میں اس کے برابر نہیں ہوتا ہے،

وہ خاندان قریش سے ہوتا ہے،

اور خاندان بنی ہاشم میں سے سب سے بلند مرتبہ۔

وہ عترت رسول سے ہوتا ہے

اور مرضی الٰہی کا چاہنے والا ہوتا ہے

وہ تمام اشرف کا شرف ہوتا ہے

وہ عبد مناف کی شاخ ہوتا ہے

وہ علم کو ترقی دینے والا ہوتا ہے

وہ حلم سے پر ہوتا ہے۔

وہ جامع شرائط امامت ہوتا ہے

وہ سیاست الٰہیہ کا عالم ہوتا ہے

اس کی اطاعت لوگوں پر فرض ہوتی ہے،

امر خدا کا قائم کرنے والا ہوتا ہے،

خدا کے بندوں کو نصیحت کرنے والا ہوتا ہے۔

دین خدا کا نگہبان ہوتا ہے

انبیاء و آئمہ (ع) موفق من اللہ ہوتے ہیں اور علم و حکمت الٰہیہ کے خزانہ سے وہ چیز ان کو دی جاتی ہے جو ان کے غیر کو نہیں دی جاتی ہے، پس ان کا علم تمام اہل زمانہ کے علم سے ہوتا ہے، جیسا کی فرماتا ہے کہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ زیادہ حق دار پیروی ہے اس سے جو محتاج ہدایت ہے پس تمہیں یہ کیا ہو گیا کیسا حکم کرتے ہو اور یہ بھی فرمایا جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی (قول باری تعالی الطاغوت کے بارے میں) بے شک اللہ نے تم پر طالوت کا اصطفا کیا اور اس کو علم و جسم (قوت) میں تم پر فضیلت دی اور اللہ جسے چاہتا ہے ملک کا مالک بنا دیتا ہے اور وہ بڑی وسعت والا بڑا جاننے والا ہے،

اور اپنے نبی سے فرمایا تمہارے اوپر کتاب اور حکمت کو نازل کیا اور جو تم نہ جانتے تھے اس کی تعلیم دی اور یہ تمہارے اوپر خدا کا بڑا افضل تھا اور اپنی نبی کی اہلبیت وعترت وزرّیت

کے متعلق فرمایا کیا لوگ حسد کرتے ہیں اس چیز پر جو ہم نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے پس ہم نے اولاد ابراہیم (ع) کو کتاب و حکمت دی اور ان کو ملک عظیم دیا پس ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض ایمان سے بے نصیب رہے اور ان کے لئے جہنم کے شعلے کافی ہیں جب خدا کسی بندہ کو اپنے بندوں کے امور کی اصلاح کے لئے منتخب کرلیتا ہے تو اس کام کے لئے اس کے سینہ کو کشادہ کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمہ اس کے قلب میں ودیعت فرماتا ہے اور علم کا الہام کرتا ہے پس وہ کسی سوال کے جواب میں عاجز نہیں ہوتا اور نہ وہ راہ صواب میں حیران ہوتا ہے وہ معصوم ہے موید موفق من اللہ ہے ہدایت یافتہ ہے وہ گناہوں، لغزشیوں اور غلطیوں سے محفوظ ہوتا ہے خدا اسے ان امور سے مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجت ہوں اس کی مخلوق پر اس کا گواہ ہو یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے پس آیا لوگ ایسا امام بنانے پر قادر ہیں کہ وہ اس کو منتخب کرلیں اور ان صفات والے پر وہ کسی اور کو مقدم کردیں قسم ہے خانہ کعبہ کی انھوں نے کتاب خدا کو پشت ڈال دیا ہے گویا وہ جانتے ہی نہیں، درآنحالیکہ کتاب خدا ہیں ہدایت اور شفاء ہے انھوں نے اس پس پشت ڈال کر اپنی خواہشوں کا اتباع کیا۔ خدا نے ان کی مذمت کی ہے اور ان کو دشمن رکھا ہے اور ان کے لئے ہلاکت ہے اس نے فرمایا ہے کہ اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو ہدایت خدا کے بغیر اپنی خواہشات کا اتباع کرے بے شک خدا ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا اور فرماتا ہے

ہلاکت ہو ان کے لئے ان کے اعمال اکارت گئے اور خدا نے فرمایا۔ خدا اور ایمان والوں کی اس سے سخت دشمنی ہے خدا نے ہر متکبر و جبار کے دل پر مہر لگا دی ہے اور بکثرت درود و سلام ہو محمد اور ان کی اولاد پر۔

عصرِ حاضر میں

دین کا نظام

زمانہ غیبت میں شیعی اسلامی سیاسی نظریہ :

کوئی شیعہ مسلم عالم دین آئمہ معصومینؑ کی سیاسی ولایت اور امامت میں شک و تردید کا شکار نہیں ہے کیونکہ امامت میں شک تشیع سے خروج کے مترادف ہے۔ معصومینؑ کی امامت تشیّع کی بنیاد ہے، اب سوال یہ ہے کہ امام معصومؑ کی غَیبَت کے زمانہ میں ان کی سیاسی ولایت کے متعلق دین کیا کہتا ہے؟

علماء شیعہ اصل ولایت فقیہ اور فقیہ عادل کی امام معصوم کی جانشینی پر اتفاق نظر رکھتے ہیں۔ اس ولایت کا دائرہ اختیار کی حدود کے تعین میں کسی حد تک اختلاف رہا ہے۔ بعض شیعہ فقہاء اس ولایت اور جانشینی کو عام اور ان تمام امور میں سمجھتے ہیں کہ جن میں امام کی جانشینی ممکن ہے اور اس طرح فقیہ کی ولایت عامہ کے قائل ہیں جبکہ بعض فقہا اس جانشینی کو محدود اور خاص موارد میں قرار دیتے ہیں۔

مسلمان معاشرے کی اجتماعی اور سیاسی امور کی ولایت میں فقہ یہ کی سیاسی ولایت اس کی ولایت عامہ کے اثبات پر موقوف ہے کیونکہ امام معصومؑ کی ولایت و امامت کی خصوصیات میں سے بنیادی خصوصیت سیاسی ولایت ہے اور یہ خصو صیت قابل نیابت ہے۔ لیکن آئمہ معصومینؑ کا مقام عصمت، علم الہی اور معنوی کمالات قابل نیابت نہیں ہیں۔ اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ماضی میں س شیعہ فقہانے فقہ سیاسي یعنی فقہ حکومت کی بحث کو اس قدر اہمیت نہیں دی جس طرح دوسری عبادی اور بعض معاملاتی مباحث کو دی ہے۔ کئی فقہانے اس قسم کی فقہی فروعات کو بیان ہی نہیں کیا اور انہیں مورد بحث ہی قرار نہیں دیا اور اگر بیان بھی کیا ہے تو بہت مختصر اور اس کے مختلف پہلوؤں اور مسائل کا اس طرح دقیق تجزیہ و تحلیل نہیں کیا جس طرح عبادی اور معاملاتی مسائل کا کیا ہے۔ یہ بات دوسرے فقہی ابواب کی نسبت "فقہ سیاسي" کے باب کے ضعف کا باعث بنی ہے، یقیناً اگر جلیل القدر شیعہ مسلم فقہاء دوسرے عبادی ابواب کی طرح " فقہ حکومتی " کے باب میں بھی دقیق بحث کرتے تو آج شیعہ مسلمانوں کے سیاسی تفکر میں مزید ارتقاء دیکھنے کو ملتا۔ امویوں اور عباسیوں کے زمانہ میں حکمرانوں کی طرف سے شیعہ مسلمانوں پر اس قدر دباؤ تھا اور ان کے حالات اس قدر ناساز گار تھے کہ اولاً ائمہ معصومین تک دسترس کے امکان کی صورت میں بھی تقیہ کی وجہ سے اس قسم کے حساس سیاسی مسائل پر گفتگو کرنے سے اجتناب کرتے تھے کیونکہ اس سے موجودہ حکومتوں کی واضح نفی ہوتی تھی لہذا اس قسم کے مسائل پر بحث کرنے کیلئے حالات ساز گار نہیں تھے ثانیاً یہ اقلیت اس قدر دباؤ اور محرومیت کا شکار تھی کہ خود کو بر سر اقتدار لانے اور ایک صحیح دینی حکومت کی تشکیل کو انتہائی مشکل سمجھتی تھی لہذا اس نے اپنی تمام تر ہمت اپنی بقا اور غاصب حکومتوں سے نفرت میں صرف کر دی اور حکومتی روابط، مسائل اور سیاسی نظام کے متعلق سوالات کے بارے میں بہت کم فکر کی گی۔

امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت کے بعد شیعہ مسلمانوں کیلئے اجتماعی اور سیاسی حالات سازگار نہیں تھے لہذا علماء شیعہ سیاسی مباحث کے پھیلاؤ اور اس کی تحقیقات کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کر سکے۔ شیعوں کا سیاسی تفکر" نظریہ انتصاب" پر استوار ہے اور شیعہ معتقد ہیں کہ آئمہ معصومین کی امامت اور ولایت خدا کی طرف سے ہے اور اس کا اعلان خود رسول خدا(ص) نے فرمایا ہے۔

فقہاء عادل کی ولایت عامہ:

ولایت فقیہ کا معنی

لغوی لحاظ سے ولایت " و ل ي" سے ماخوذ ہے، واو پر زبر اور زیر دونوں پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے ہم مادہ دیگر کلمات یہ ہیں تولیت، موالات، تولّی، وليّ، متولّي، استیلائ، ولائ، مولا، والی۔

لغوی لحاظ سے ولایت کے متعدد معانی ہیں مثلاً نصرت، مدد، امور غیر کا متصدی ہونا اور سرپرستی وغیرہ البتہ ان معانی میں سے سرپرستی اور اجتماعی امور میں تصرف ولایت فقیہ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں، جو شخص کسی منصب یا امر کا حامل ہو اسے اس امر کا سرپرست، مولی اور ولی کہا جاتا ہے، بنابریں لفظ ولایت اور اس کے ہم مادہ الفاظ یعنی ولي، تولیت، متولی اور والی سرپرستی اور تصرف کے معنی پر دلالت کرتے ہیں اس قسم کے کلمات کسی دوسرے کی سرپرستی اور اس کے امور کی دیکھ بھال کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ولی اور مولا دوسروں کی نسبت اس تصرف اور سرپرستی کے زیادہ سزاوار ہیں اور ولی و مولا کی ولایت کے ہوتے ہوئے دوسرے افراد اس شخص کی سرپرستی اور اس کے امور میں تصرف کا حق نہیں رکھتے [49]

قرآن کریم میں جو الفاظ ان معانی میں استعمال ہوئے ہیں_ وہ اللہ تعالی، رسول-(ص) اور امام کیلئے استعمال ہوئے ہیں_

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَ رَسُولُهُ وَالَّذينَ آمَنُوا الَّذينَ يُقيمُونَ الصَّلاةَ وَ يُؤتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم رَاكِعُونَ

---

[49] کتاب الغدیر، جلد 1، صفحہ 609،649 اور فیض القدیر، صفحہ 375 _ 448

سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی خدا، اس کا رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں

و، ل، ی کے مشتقات کے معانی اور قرآن و روایات میں ان کے استعمال کی تفصیلی بحث ہمیں ہماری اصلی بحث سے دور کردے گی، کیونکہ ولایت اور اس سے ملتے جلتے الفاظ والی اور ولی وغیرہ کا اصطلاحی معنی واضح اور روشن ہے۔

جب ہم کہتے ہیں: کیا رسول خدا(ص) نے کسی کو مسلمانوں کی ولایت کیلئے منصوب کیا ہے؟ یا پوچھتے ہیں: کیا زمانہ غیبت میں فقیہ عادل ولایت رکھتا ہے؟ واضح ہے کہ اس سے ہماری مراد دوستی، محبت اور نصرت وغیرہ نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد اسلامی معاشرہ کے امور کی سرپرستی ہوتی ہے

ولایت فقیہ کا معنی یہ ہے کہ فقیہ عادل اسلامی معاشرہ کی سرپرستی اور حاکمیت کا حقدار ہے اور اس شرعی اور اجتماعی منصب کیلئے منتخب کیا گیا ہے

ولایت کی حقیقت اور ماہیت

ولایت فقیہ کی ادلہ کے ذریعہ فقیہ عادل کیلئے جو ولایت ثابت کی جاتی ہے وہ شرعی اعتبارات میں سے ہے ، فقاہت، عدالت اور شجاعت جیسی صفات تکوینی ہیں جبکہ ریاست اور ملکیت جیسے امور اعتباری اور وضعی ہیں۔

اعتباری اور وضعی امور ان امور کو کہتے ہیں جو جعل اور قرار دینے سے وجود میں آتے ہیں یعنی بذات خود خارج میں ان کا اپنا وجود نہیں ہوتا بلکہ بنانے والے کے بنانے اور قرار دینے والے کے قرار دینے سے وجود میں آتے ہیں، لہذا اگر قرار دینے والا شارع مقدس ہو تو انہیں "اعتبارات شرعي" کہتے ہیں اور اگر عقلاء اور عرف عام ہوں تو پھر انہیں "اعتبارات عقلائی" کہا جاتا ہے

وہ حاکمیت جس کا ایک قوم و قبیلے والے اپنے سردار کیلئے اور ایک معاشرہ اپنے حاکم کیلئے قائل ہوتا ہے "اعتبارات عقلائی" کے نمونے ہیں، اسی طرح ٹریفک کے قوانین کہ سرخ لائٹ پر رکنا ہے یا یہ سڑک یک طرفہ ہے یہ تمام اعتبارات و مجعولات عقلائی کی مثالیں ہیں۔

جو شخص فقیہ بنتا ہے یا وہ شخص جو ملکہ عدالت اور تقوی کو حاصل کر لیتا ہے وہ ایک حقیقت اور "تکوینی صفت" کا حامل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو کسی منصب پر فائز کیا گیا ہے اور اس کے لئے ایک حاکمیت قرار دی گئی ہے تو یہ ایک حقیقی اور تکوینی صفت نہیں ہے بلکہ ایک قرار داد اور "عقلائی اعتبار" ہے "امر اعتباری "اور" امر تکوینی "میں یہ فرق ہے کہ " امر اعتباری " کا وجود واضع اور قرار داد کرنے والوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن "تکوینی حقائق" کسی بنانے والے یا قرار دینے والے کے ہاتھ میں نہیں ہوتے کہ قرار کے بدلنے سے ان کا وجود ختم ہو جائے۔

ولایت دو طرح کی ہوتی ہے

تکوینی اور اعتباری یا تشریحی

وہ ولایت جو فقہ یہ کو حاصل ہے اور ولایت فقہ یہ کی ادلہ سے جس کا اثبات ہوتا ہے " ولایت اعتباری یا ولایت تشریحی "ہے۔ ولایت تکوینی ایک فض یلت اور معنوی و روحانی کمال ہے۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ائمہؑ معصومین کو دونوں قسم کی ولایت حاصل ہے آپ عصمت، عبودیت اور علم الہی کے اعلی مراتب پر فائز ہونے اور خلیفۂ خدا ہونے کی وجہ سے ولایت تکوینیہ کے حامل ہوتے ہیں جبکہ مسلمانوں کی رہبری اور قیادت کی وجہ سے سیاسی ولایت رکھتے ہیں جو کہ "ولایت اعتباري" ہے۔

امام خمینیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ ولایت جس کے رسول خدا (ص) اور آئمہؑ معصومین حامل تھے وہی ولایت زمانہ غیبت میں فقہ یہ عادل کو حاصل ہے تو کوئی ہر گز یہ نہ سمجھے کہ فقہاء کو وہی مقام حاصل ہے جو رسول اللہ (ص) اور آئمہؑ معصومین کو حاصل تھا کیونکہ یہاں بات مقام کی نہیں ہے بلکہ فریضے اور ذمہ داری کی ہے۔ ولایت بمعنی حکومت اور ملک میں شرعی قوانین کا اجرا ایک سنگین اور اہم ذمہ داری ہے، نہ یہ کہ کسی شخص کو ایک عام انسان سے ہٹ کر کوئی اعلی وارفع مقام دیا جارہا ہے۔ بالفاظِ دیگر مورد بحث

ولایتِ سیاسی یعنی حکومت اور اس کا انتظام بہت سے افراد کے تصور کے بر عکس کوئی مقام نہیں ہے بلکہ ایک بھاری اور عظیم ذمہ داری ہے"ولایت فقیہ" ایک "امر اعتباری عقلائی" ہے۔[50] (1)

ولایت فقیہ منصب حکومت اور معاشرتی نظام کے چلانے کا اختیار فقیہ کو تفویض کرتی ہے۔ ولایت فقیہ ایک اعتبار عقلائی ہے کیونکہ تمام معاشروں میں ایسی قرارداد ہوتی ہے اور کچھ افراد کیلئے یہ منصب وضع کیا جاتا ہے، دوسری طرف چونکہ یہ منصب اور اعتبار روایات معصومین اور شرعی ادلّہ سے فقیہ کو حاصل ہے اس لئے یہ ایک شرعی اعتبار اور منصب بھی ہے۔ پس اصل ولایت ایک "اعتبار عقلائی" ہے اور فقیہ کیلئے شارع مقدس کی طرف اس کی تائید ایک "اعتبار شرعی" ہے۔

اسلامی فقہ اور ولایت

ولایت کے متعلق آیات اور روایات کو کلی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا دقیق تعبیر کے مطابق فقہ میں دو قسم کی ولایت پائی جاتی ہے

ایک ولایت کا تعلق مومنین کے امور کی سرپرستی سے ہے یہ وہی ولایت ہے جو رسول خدا(ص) اور آئمہؑ معصومین کی طرف سے "زمانہ غیبت" میں" فقیہ عادل" کو حاصل ہے

دوسری ولایت وہ ہے جس میں ان افراد کی سرپرستی کی جاتی ہے جو فہم و شعور نہیں رکھتے یا اپنے امور انجام دینے سے قاصر ہیں یا موجود نہ ہونے کی وجہ سے اپنے حق سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے لہذا ضروری ہے کہ ان کی طرف سے ایک ولی اپنی صواب دید کے تحت غائب اور بے بس افراد کے امور کی سرپرستی کرے۔

باپ اور دادا کی اپنے کم سن، کم عقل اور دیوانے بچوں پر ولایت، مقتول کے اولیاء کی ولایت اور میت کے ورثا کی ولایت تمام اسی ولایت کی اقسام ہیں درج ذیل آیات اسی ولایت کی اقسام کی طرف اشارہ کررہی ہیں

---

[50] ولایت فقیہ صفحہ 40،41

و من قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليّه سلطانافلايُسرف فى القتل
(سوره اسراء آیت33)

جو شخص ناحق مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص کا) حق دیا ہے پس اسے چاہیے کہ قتل میں زیادتی نہ کرے

فان کان الذی علیہالحق سفیہاًاوضعیفااولایستطیعاني ملّهوفلیم للولیه بالعدل (سوره بقره آیت 282)

اور اگر قرض لینے والا کم عقل یا معذور یا خود لکھوانہ سکتا ہو تو اس کا سرپرست انصاف سے لکھوادے۔

ان دو قسم کی ولایت کے درمیان بنیادی فرق سے غفلت اور ان دونوں کو ایک ہی سمجھنے کی وجہ سے ولایت فقیہ کے بعض مخالفین ایک بڑی اور واضح غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ولایت فقیہ وہی مجبور و قاصر افراد پر ولایت ہے اور ولایت فقیہ کا معنی یہ ہے کہ لوگ مجنون، بچے، کم عقل اور مجروح افراد کی طرح ایک سرپرست کے محتاج ہیں اور ان کیلئے ایک سرپرست کی ضرورت ہے لہذا ولایت فقیہ کالازمہ لوگوں اور ان کے رشد وارتقاء کی اہانت ہے

ولایت فقیہ کے معنی کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمی:

فقیہ کی سیاسی ولایت کے بعض مخالفین اس بات پر مصر ہیں کہ ولایت فقیہ میں "ولایت" کا معنی دوسرے سیاسی نظاموں میں موجود سیاسی اقتدار اور قانونی حاکمیت سے بالکل مختلف کیا جائے

گویا اس نظام میں سیاسی اقتدار کی حقیقت مکمل طور پر دوسرے نظاموں کے سیاسی اقتدار کی حقیقت سے مختلف ہے۔ ان کا منشاو سرچشمہ فقیہ کی ولایت سیاسی اور مجبور اور بے بس افراد پہ ولایت کو ایک ہی طرح کا قرار دینا ہے۔

وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مختلف فقہی ابواب میں جس ولایت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ان موارد میں ہوتی ہے جن میں " مولّی علیہ " (جس پر ولایت ہو) مجبور، بے بس اور عاجز ہو پس ان لوگوں نے سیاسی ولایت کو بھی اسی قسم کی ولایت خیال کیا ہے اور اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ فقیہ کی ولایت عامہ کا معنی یہ ہوا کہ

معاشرہ کے افراد مجبور و بے بس ہیں اور انھیں ایک ولی اور سرپرست کی ضرورت ہے۔ اس نظریہ کے حامیوں میں سے ایک کہتے ہیں:

ولایت بمعنی سرپرستی مفہوم اور ماہیت کے لحاظ سے حکومت اور سیاسی حاکمیت سے مختلف ہے کیونکہ "ولایت" وہ حق تصرف ہے جو ولی امر مولّی علیہ کے مخصوص مال اور حقوق میں رکھتا ہے، وہ تصرفات جو مولی علیہ عدم بلوغ و رشد اور شعور و عقل کی کمی یا دیوانگی کی وجہ سے اپنے حقوق اور اموال میں نہیں کرسکتا جبکہ حکومت یا سیاسی حاکمیت کا معنی ایك مملکت کو چلانا ہے۔

اس قسم کے مطالب دو بنیادی نکات سے غفلت کی وجہ سے بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) پہلا نکتہ:

فقہ میں دو طرح کی ولایت پائی جاتی ہے (۱) وہ ولایت جو معاشرتی امور کی سرپرستی ہے کہ جس کا تعلق حکومت اور انتظامی امور سے ہے اور وہ ولایت جو مجبور و قاصر افراد پر ہوتی ہے وہ ایک الگ قسمِ ولایت ہے۔

ولایت کی یہ قسم قرآن کی رو سے رسول اللہ (ص) اور اولی الامر کیلئے ثابت ہے

کیا رسول اللہ (ص) کا مسلمانوں کے ولی امر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صدر اسلام کے مسلمان مجبور و عاجز تھے؟ اس دور کی ممتاز اور سرکردہ شخصیات ناقص تھیں؟

ولایت فقیہ وہی آئمہ؈ معصومین کی ولایت کی ایک قسم ہے البتہ اس فرق کے ساتھ کہ ائمہ معصومین کی ولایت اس اعتباری ولایت میں منحصر نہیں ہے بلکہ ائمہ معصومین مقامات معنوی اور تمام تر ولایت و خلافت الٰہیہ کے بھی حامل ہیں۔

(۲) دوسرا نکتہ:

روایات کی رو سے امام قیّم و سرپرست ہوتا ہے۔ ولایت اور امامت کے عظیم عہدہ کے فلسفہ کے متعلق فضل ابن شاذان امام رضا سے روایت نقل کرتے ہیں جس میں امام کو دین خدا کے نگران اور قیّم، احکام الٰہی کے محافظ اور بدعتی و مفسد افراد کا مقابلہ کرنے والے کے طور پر متعارف کروایا گیا ہے

قال امام علی رضاؑ:

اگر خداوند متعال لوگوں کیلئے سرپرست، دین کا امین، حفاظت کرنے والا اور امانتوں کا نگران امام قرار نہ دیتا تو ملت کا نشان تک باقی نہ رہتا، دین ختم ہو جاتا اور سنتیں تبدیل ہو جاتیں... پس اگر خدا، رسول اکرم (ص) کے لائے ہوئے دین کیلئے کسی کو سرپرست اور محافظ نہ بناتا تو لوگ اس دین کو تباہ کر دیتے۔ [51]

اس قسم کی روایات میں موجود لفظ **قیم** سے مراد وہ سرپرستی نہیں لی جاسکتی جو باپ اور ولی کو چھوٹے بچے یا کم شعور پر حاصل ہوتی ہے کیونکہ قرآن اور روایات کی اصطلاح میں **قیم** اس چیز یا اس شخص کو کہتے ہیں جو خود بھی قائم ہو اور دوسروں کے قیام کا ذریعہ ہو۔ اسی لئے قرآن کریم میں دین اور کتاب خدا کو اس صفت کے ساتھ متصف کیا گیا ہے

یہی دین قیم ہے (سورہ توبہ آیت 36)

آپ اپنے رخ کو دین قیم کی طرف رکھیں (سورہ روم آیت 43)

اللہ کی طرف سے رسول ہے جو پاکیزہ صحف کی تلاوت کرتا ہے جن میں کتب قیمۃ ہیں (سورہ بینہ آیت 2،3)

امام اور اسلامی معاشرہ کا سرپرست اس معنی میں لوگوں کا قیّم ہے کہ وہ ان کیلئے سرمایہ انسجام اور زندگی کا سہارا ہوتا ہے۔ قرآن اور روایت میں استعمال ہونے والے لفظ قیّم کو اس معنی میں نہیں لیا جاسکتا جو فقہی کتب میں بے کس افراد کی سرپرستی کیلئے استعمال ہوتا ہے، ولایت فقیہ کے منکرین کے اس گروہ کو یہی غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے فقیہ کی ولایت کو اسی قسم کی سرپرستی سمجھا ہے جو مجبور افراد پر ہو قائم ہوتی ہے۔

---

[51] بحار الانوار ج6، صفحہ 60، حدیث 1

ولایت انتصابی اور وکالت ونظارت میں فرق

ولایت فقیہ کی بحث کا بنیادی اور اصلی محور یہ ہے کہ کیا ائمہ معصومینؑ کی طرف سے فقیہ عادل کو امت پر ولی نصب کیا گیا ہے ؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ مسلم معاشرے کے سیاسی اور اجتماعی امور کی دیکھ بھال، احکام کے اجرا اور امام معصوم کی نیابت کا اہم ترین کام ہے اسکو ادا کرنے کیلئے فقیہ کا امام کی طرف سے مقام ولایت پر منصوب ہونا در حقیقت ولایت فقیہ کی اصلی وبنیادی مباحث میں سے ہے۔

زمانہ غیبت میں عادل اور جامع الشرائط فقیہ امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ الشریف) کا نائب اور آپ کی طرف سے اسلامی معاشرہ کا منتظم و نگران ہوتا ہے۔ فقیہ عادل آپ کی طرف سے لوگوں پر ولایت رکھتا ہے، یہ "وکالت" سے جدا ایک عہدہ ہے۔ فقیہ کی "ولایت انتصابی" اور "ولایت انتخابی "میں بنیادی فرق اسی نکتہ میں پوشیدہ ہے ، "ولایت انتخابی" کے نظریہ کی بنیاد پر لوگ انتخاب اور بیعت کے ذریعہ فقیہ کو "ولایت" عطا کرتے ہیں، گویا کہ لوگوں کا منتخب شدہ شخص ان کا وکیل اور مملکت کے انتظامی امور کا سرپرست ہوتا ہے لیکن فقیہ کی "ولایت انتصابی "کے نظریہ کی بنیاد پر فقیہ عادل لوگوں کا وکیل نہیں ہوتا بلکہ اسے یہ منصب شرعی دلیلوں اور امام کے منصوب کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کا اسے تسلیم کرنا اور اسکی مدد کرنا، اسکے "منصب اور ولایت" میں کوئی بنیادی کردار ادا نہیں کرتا بلکہ ولایت کو بروئے کار لانے اور اس کے اختیارات کے عملی ہونے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

یعنی لوگوں کا فقیہ کی ولایت کو قبول کر لینا اسکی ولایت کے شرعی ہونے کا باعث نہیں بنتا بلکہ لوگوں کی طرف سے حمایت اور ساتھ دینے سے اس کی مقبولیت اور خارجی وجود کا اظہار ہوتا ہے۔

ولایت انتصابی کی حقیقت مکمل طور پر "حقیقت وکالت" سے بھی مختلف ہے، وکالت میں ایک مخصوص شخص یعنی وکیل ایک خاص مورد میں ایک دوسرے شخص یعنی "موکل" کی جگہ پر قرار پاتا ہے اور اس کی طرف سے عمل انجام دیتا ہے، اصل اختیار موکل کے ہاتھ میں ہوتا ہے وکیل انہی اختیارات کی بنیاد پر کام کرتا ہے جو ایک یا چند موکل اسے دیتے ہیں جبکہ ولایت میں ایسا نہیں ہوتا حتی کہ اگر امام معصوم

بھی ایک شخص کو وکیل اور دوسرے کو ولایت کے مقام پر منصوب فرمائیں، تو ان دونوں کی حقیقت وحیثیت بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔

آیت اللہ جوادی آملی کے بقول:

"ولایت" اور" وکالت" میں فرق ہے کیونکہ وکالت "موکل" کے مرنے سے ختم ہو جاتی ہے لیکن ولایت میں ایسا نہیں ہوتا یعنی اگر امام معصوم کسی کو کسی امر میں اپنا وکیل قرار دیتے ہیں تو امام کی شہادت یا رحلت کے بعد اس شخص کی وکالت ختم ہو جاتی ہے مگر یہ کہ بعد والے امام اس کی وکالت کی تائید کر دیں لیکن ولایت میں ایسا نہیں ہوتا مثلاً اگر امام کسی کو منصوب کرتے ہیں اور وہ آپؑ کی طرف سے کسی موقوفہ پر ولایت رکھتا ہو تو امام کی شہادت یا رحلت کے بعد اس شخص کی ولایت ختم نہیں ہو گی مگر یہ کہ بعد والے امام اس کو ولایت سے معزول کر دیں[52]

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ولایت فقیہ نظارت فقیہ سے مختلف ہے۔ ولایت کا تعلق نظام کے چلانے اور اجرا سے ہے، اسلامی معاشرہ کے اہم ترین اور مختلف مسائل اور انتظامی امور کو اسلامی موازین اور قواعد کے مطابق حل کرنے کو کہتے ہیں۔

جبکہ نظارت ایک قسم کی نگرانی ہے اور اجرائی عنصر کی حامل نہیں ہوتی، زمانہ غیبت میں سیاسی تفکر میں محل نزاع "فقیہ عادل کیلئے ولایت کا اثبات" ہے جبکہ " نظارت فقیہ " موافقین اور مخالفین کے درمیان محل نزاع و بحث نہیں ہے۔ اصلی نزاع اور جھگڑا اس میں ہے کہ کیا فقیہ عادل کو شریعت کی طرف سے ولایت پر منصوب کیا گیا ہے یا نہیں؟

---

[52] ولایت فقیہ صفحہ 395

لہذا اس باب میں فقہی بحث کا محور ہمیشہ "ولایت فقہ یہ" رہا ہے نہ کہ "نظارت فقیہ"۔ فقیہ کی "ولایت انتصابی" کے نظریہ کی بنیاد پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جامع الشرائط فقیہ کیلئے یہ ولایت کس طرح محقق ہوتی ہے؟ کیا ہر جامع الشرائط فقیہ "شان ولایت" رکھتا ہے یا "بالفعل" اس منصب پر فائز ہے؟

اگر "ولایت فقیہ" پر روایات کی دلالت صحیح ہو تو پھر ہر "جامع الشرائط فقیہ" کیلئے منصب "ولایت" ثابت ہے اور یہ عہدہ "اہل حل و عقد" کے انتخاب یا رائے عامہ جیسے کسی اور امر پر موقوف نہیں ہے، پس ولایت فقیہ کی ادلّہ کی رو سے فقیہ عادل بالفعل ولایت کا حامل ہے، جس طرح ہر فقیہ عادل بالفعل منصب قضا کا حامل ہوتا ہے اور جھگڑوں کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ تمام "واجد الشرائط فقہاء" جو کہ "منصب ولایت" کے حامل ہیں براہ راست معاشرے کے امور کی نگرانی کے عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتے۔ جس طرح ایک کیس کے سلسلہ میں تمام قاضی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ واضح سی بات ہے کہ جب ایک "جامع الشرائط فقیہ" امور کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو باقی فقہا سے یہ ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔ بنابریں ایک فقیہ عادل کو اہل حل و عقد کا منتخب کرنا یا عوام کا اسے تسلیم کر لینا دوسرے فقہاء سے منصب ولایت کو سلب نہیں کرتا بلکہ جب تک ایک فقیہ عادل امور کی سرپرستی کر رہا ہے تو دوسروں سے یہ ذمہ داری ساقط ہے، اور اجتماعی امور مٰیں ان سب پہ اس صاحبِ منصبِ ولایت فقیہ کی اطاعت لازم آتی ہے۔

ولایت فقیہ کی مختصر تاریخ-1-

ولایت فقیہ کی ابتداء آغاز فقہ سے ہی ہوتی ہے، فقہ اور اجتہاد کی ابتدائی تاریخ سے ہی فقیہ کی بعض امور میں ولایت کا ثبوت پایا جاتا ہے، اس وجہ سے اسے "فقہ شیعہ" کے مسلّمات میں سے سمجھا جا سکتا ہے، ولایت فقیہ کے متعلق جو شیعہ علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے، وہ اس کی حدود و قیود اور اختیارات میں ہے نہ کہ اصل ولایت فقہ یہ میں۔ قضاوت اور امور حسبیّہ میں فقہ یہ عادل کی ولایت پر سب متفق ہیں، جبکہ اس سے وسیع تر امور میں اختلاف ہے یعنی معاشرہ کے سیاسی اور انتظامی امور میں فقہ یہ ولایت رکھتا ہے یا نہیں؟

اسے "ولایت عامہ فقیہ" یا "معصومین ؑ کی نیابت عامہ" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، فقیہ کی ولایت عامہ سے مراد یہ ہے کہ فقیہ عادل نہ صرف اجرائے احکام، قضاوت اور امور حسبیہ میں امام معصوم کا نائب ہے بلکہ امام کی تمام قابل نیابت خصوصیات کا بھی حامل ہوتا ہے۔

ولایت فقیہ کے بعض مخالفین یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ شیعہ فقہ کی تاریخ میں ولایت عامہ فقیہ کی بحث ایک نئی بحث ہے جو آخری دو صدیوں میں منظر عام پر آئی ہے جبکہ شیعہ فقہ کی تاریخ میں اس سے پہلے اس کا کوئی وجود نہیں ملتا حالانکہ فقاہت تشیع کے تمام ادوار میں اس نظریہ کے قابل اعتبار قائلین موجود رہے ہیں بلکہ بعض بڑے بڑے شیعہ علماء و فقہاء نے اس کے متعلق فتوے بھی دیئے ہیں اور بعض علماء نے اس کے متعلق اجماع کا دعوی بھی کیا ہے۔

دسویں صدی کے عظیم شیعہ فقیہ جناب محقق کرکیؒ جامع الشرائط فقیہ کیلئے امام کی نیابت عامہ کو اجماعی اور متفق علیہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: اس ولایت کا نہ ہونا شیعوں کے امور کے معطل ہونے کا باعث بنتا ہے۔[53]

جواہر الکلام کے مصنف شیخ محمد حسن نجفی امر بالمعروف کی بحث کے دوران امام معصوم کے تمام مناصب میں فقیہ عادل کی نیابت کو شیعہ علماء کے نزدیک ایک مسلّم حقیقت سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ فقیہ کی ولایت عامہ سے انکار شیعہ کے بہت سے امور کے معطل ہونے کا باعث بنتا ہے اور جنہوں نے فقیہ کی ولایت عامہ کا انکار یا اس میں شک کیا ہے انہوں نے نہ تو فقہ کے مزہ کو چکھا ہے اور نہ ہی معصومین ؑ کے کلام کے رموز کو سمجھا ہے۔[54]

[53] رسائل محقق کرکی جلد 1، صفحہ 142، 143 رسالۃ فی صلاۃ الجمعۃ

[54] جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام جلد 21، صفحہ 396، 397

فقیہ متبحر رضا ہمدانی فقیہ عادل کیلئے امام کی نیابت اور جانشینی کے مسلّمہ ہونے کے متعلق فرماتے ہیں کہ: زمانہ غیبت میں اس قسم کے امور (وہ امور عامہ جن میں ہر قوم اپنے رئیس کی طرف رجوع کرتی ہے) میں جامع الشرائط فقیہ کے امام کے جانشین ہونے میں شک و تردید معقول نہیں ہے جبکہ علماء کے اقوال بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کیونکہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات امور مسلّمہ میں سے ہے اور یہ بات اس قدر واضح تھی کہ بعض علماء نے تو امام کی طرف سے فقیہ کی نیابت عامہ کی دلیل "اجماع" کو قرار دیا ہے۔[55]

محمد ابن نعمان بغدادی جو کہ شیخ مفیدؒ کے نام سے مشہور ہیں اور شیعہ کے بہت عظیم فقیہ شمار ہوتے ہیں۔ مخالفین کے اس ادعا کو نقل کرنے کے بعد کہ اگر امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت اسی طرح جاری رہی تو حدود الٰہی کا اجرا کسی پر واجب نہیں ہے، کہتے ہیں:

حدود الٰہی کا اجرا حاکم شرعی کا کام ہے، وہ حاکم شرعی جسے خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور وہ ائمہ اہل بیتؑ ہیں یا وہ افراد جنہیں ائمہ معصومینؑ حاکم مقرر کر دیں اور ممکنہ صورت میں انہوں نے یہ کام اپنے شیعہ فقہا کے سپرد کر رکھا ہے۔

ابن ادریس حلّیؒ (متوفی 598ھ ق) معتقد ہیں کہ جامع الشرائط فقیہ کو احکام الٰہی اور شرعی حدود کے اجرا کی ذمہ داری لینی چاہیے یہ ولایت "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی ایک قسم ہے اور یہ ہر "جامع الشرائط" کی ذمہ دار ہے۔ ابن ادریس حلّي، سید مرتضی، شیخ طوسی اور دوسرے بہت سے علماء کو اپنا ہم خیال قرار دیتے ہیں۔

دسویں صدی کے عظیم فقیہ محقق کرکیؒ (متوفی 940ق) فقیہ عادل کے امام معصومؑ کے تمام قابل نیابت امور میں امام کے نائب ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور اسے تمام علماء کا متفق الرائے حکم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ شیعہ عادل فقیہ جو فتوی دینے کی صلاحیت

---

[55] مصباح الفقیہ جلد 14، صفحہ 291 کتاب الخمس

رکھتاہو کہ جسے احکام شرعیہ میں مجتہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، زمانہ غیبت میں ان تمام امور میں ائمہ ہدیٰؑ کا نائب ہوتا ہے جو نیابت کے قابل ہیں۔ حدیث معصوم (کہ میں نے اسے تم پر حاکم قرار دیا ہے) سے مراد یہ ہے کہ وہ فقیہ جو مذکورہ صفات کا حامل ہو، ائمہؑ کا مقرر کردہ نائب ہے ان تمام امور میں جو قابل نیابت ہیں اور یہ نیابت کلی اور عام ہے۔

شیخ جعفر کاشف الغطاء کے فرزند شیخ حسن کاشف الغطا(متوفی1262ھ ق) اپنی کتاب "انوار الفقاہہ" (جو کہ خطی نسخہ ہے) میں فقیہ کی" ولایت عامہ" کو ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حاکم (فقیہ جامع الشرائط) کو ان تمام امور میں ولایت حاصل ہے جن میں امامؑ کو ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ امامؑ فرماتے ہیں: "یہ تم پر میری طرف سے حجت ہیں" نیز فرمایا: "اسے (فقیہ کو) حاکم قرار دو"۔ اس سے فقہانے یہی سمجھا ہے کہ یہاں مراد" ولی متصرف" ہے نہ کہ صرف قضاوت کرنے والا۔

اگر امام معصوم کسی شہر میں ایک نائب خاص مقرر کرتے ہیں مثلاً مالک اشتر کو مصر کیلئے، یا غیبت صغری میں نوّاب اربعہ کو، تو ان کی ولایت صرف قضاوت میں منحصر نہیں ہوتی بلکہ حدود الٰہی کا اجراء، شرعی مالیات کی وصولی، جھگڑوں کا فیصلہ، امور حسبیّہ کی سرپرستی، اور مجرموں کو سزا دینا، سب اس میں شامل ہیں۔ پس غیبت کبری کے زمانہ میں بھی امام معصوم کی نیابت عمومی ہو گی اور ان تمام امور کی ذمہ داری فقیہ عادل پر ہو گی۔

جو شخص اپنے واجب نفقہ کو ادا نہیں کرتا اس کے متعلق محقق حلّیؒ کہتے ہیں:

جب کوئی شخص نفقہ واجبہ کو ادا نہ کرے تو حاکم (اسلامی) اسے مجبور کرے، اگر پھر بھی وہ انکار کرے تو اسے قید کر دے... [56]

---

[56] شرائع الاسلام جلد2، ص297۔298، کتاب النکاح

محقق حلی "خیانت کرنے والے وصی کو معزول کرنا" حاکم کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
اگر معلوم ہو جائے کہ وصی عاجز ہے تو اس کیلئے مددگار معین کیا جائیگا اور اگر معلوم ہو جائے کہ وصی نے خیانت کی ہے تو حاکم کیلئے ضروری ہے کہ اسے معزول کر کے اس کی جگہ کسی امانتدار آدمی کو وصی مقرر کرے۔[57]

شیخ مفیدؒ "دیوانوں اور کم عقل افراد کیلئے وکیل معیّن کرنا" حاکم کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: مسلمان حاکم کیلئے ضروری ہے کہ وہ سفیہ افراد پر اس شخص کو وکیل مقرر کرے جو ان کے حقوق کا مطالبہ کرتا ہو اور ان کی طرف سے اور ان کے حق میں استدلال کرے۔

شیخ مفیدؒ حاکم کو" سلطان" اور" ناظر" جیسے الفاظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں:
پس اگر وصی خیانت کرے تو امور مسلمین کے ناظر کیلئے ضروری ہے کہ اسے معزول کر دے

ذخیرہ اندوز کے متعلق حاکم کی ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
سلطان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ذخیرہ اندوز کو غلّہ باہر لانے اور اسے مسلمانوں کے بازار میں فروخت کرنے پر مجبور کرے۔[58]

---

[57] شرائع الاسلام جلد 2، صفحہ 203، کتاب الوصیہ

[58] المقنعہ، صفحہ 816، کتاب الوکالۃ

حاکم، سلطان یا امورِ امت کے ناظر سے کیا مراد ہے؟

ہمارا دعوی یہ ہے کہ ان اوصاف کے مالک پہلے مرحلہ میں خلفاء الہی یعنی محمد وآل محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہیں، ان کے بعد ان کے خاص نائبین اور ان کے بعد یعنی زمانہ غیبت میں ان کے نائبین عام جامع الشرائط عادل فقہاء ان اوصاف کے مالک ہیں۔

شیخ مفیدؒ اسلام کے حاکم اور سلطان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حدود الہی کا اجرا اس اسلامی حاکم کا کام ہے جو خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور وہ ائمہ اہل بیتؑ ہیں یا وہ افراد جنہیں یہ حاکم اور والی مقرر کریں اور ممکنہ صورت میں یہ کام انہوں نے اپنے شیعہ فقہاء کے سپرد کیا ہے۔[59]

فخر المحققین محمد بن حسن حلیؒ بھی حاکم کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں اور اس کی نسبت اپنے والد حسن بن یوسف المعروف علامہ حلّیؒ اور ابن ادریس کی طرف دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حاکم سے مراد "خود سلطان عادل" یا اس کا نائب ہے اور اگر یہ نہ ہوں تو پھر فتوی کی شرائط کا حامل فقیہ پس مصنف کا یہ قول کہ اگر حاکم نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ تینوں نہ ہوں اور اس قول کو میرے والد اور ابن ادریس نے اختیار کیا ہے۔[60]

محقق کرکیؒ بھی لفظ "حاکم" کی یہی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حاکم سے مراد امام معصوم یا ان کا" نائب خاص" ہے اور زمانہ غیبت میں "نائب عام" اور نائب عام سے مراد وہ شخص ہے جو فتوی اور فیصلہ کرنے کی تمام شرائط کا حامل ہو، مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ جب کسی قید وشرط کے بغیر "حاکم" کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد "جامع الشرائط فقیہ" ہی ہوتا ہے۔[61]

---

[59] المقنعہ، صفحہ 810

[60] الفوائد جلد 2، صفحہ 624 کتاب الوصایا

[61] جامع المقاصد جلد 11، صفحہ 266،267 کتاب الوصایا

آخر بحث:

۱۔" ولایت فقیہ "کا اعتقاد ایک قدیمی بحث ہے نہ کہ کوئی نیا عنوان یا بدعت۔

۲۔ اہلسنت نے "الاحکام السلطانیۃ "کے عنوان سے فقہ سیاسی کے متعلق مستقل بحث کی ہے اور فقہ الحکومت اور اس کی جزئیات پر تفصیلی نظر ڈالی ہے۔ جبکہ شیعہ نے سیاسی فقہ کے بارے میں اس قدر تفصیلی بحث نہیں کی ہے اور اس کی وجہ شیعہ کے خاص سیاسی اور اجتماعی حالات ہیں۔ فاسق و فاجر حکومتوں کی مخالفت کی وجہ سے شیعہ مکتب پر جو سیاسی دباؤ تھا، اس کی وجہ سے وہ سیاسی فقہ کے متعلق مستقل اور تفصیلی بحث نہیں کر پائے اور نہ ہی گذشتہ فقہا حاکم، والی امر کا دائرہ اختیارات اور سیاسی فقہ سے مربوط اس قسم کی دوسری مباحث مستقل اور براہ راست کر پائے، جیسا کہ اس مختصر سی تاریخ میں گذر چکا ہے کہ اس قسم کی مباحث پراگندہ طور پر حدود و دیات، قضا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، نکاح، وصیت اور مزارعہ کے ابواب میں کی گئی ہیں۔

۳۔ ولایت فقیہ کے متعلق مستقل بحث آخری دو صدیوں میں کی گی ہیں، پہلی دفعہ ملا احمد نراقیؒ (متوفی 1245) نے اپنی کتاب "عوائد الایام "میں "ولایت فقیہ "کے متعلق اچھے خاصے صفحات مختص کئے ہیں۔ ۴۔ دوسرے علوم و معارف کی طرح فقہ نے بھی امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے، سیاسی فقہ نے بھی دوسرے فقہی ابواب کی طرح ارتقائی مراحل طے کئے ہیں۔

۵۔ فقیہ کی " ولایت عامہ " کا انکار اجتماعی امور میں فقیہ کی سرپرستی کے انکار کے مترادف نہیں ہے۔

۶۔ آیت اللہ میرزا جواد تبریزی دامت برکاتہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

ولایت فقیہ کے متعلق دو بنیادی نظریے ہیں ایک وہ جسے امام خمینیؒ نے اختیار کیا ہے کہ آپ قرآن و حدیث کے ذریعہ ولایت امر و نہی کہ جس سے مراد وہی حکومت و مملکت قائم کرنا ہے، اس کو فقیہ کیلئے ثابت کرتے ہیں۔ دوسرا نظریہ حسبیّہ ہے جسے آیت اللہ خوئیؒ تسلیم کرتے ہیں، اس کی بنا پر " فقیہ کی ولایت عامہ " پر ادلّہ عقلی و نقلی کامل نہیں ہیں لیکن معاشرہ میں کچھ امور ایسے ہوتے ہیں۔ جنہیں بے لگام و معطل چھوڑ دینے پر شارع مقدس راضی نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صرف فقیہ ہی ان امور کی سرپرستی کر سکتا ہے یتیموں کی سرپرستی، بچوں کی سرپرستی و کفالت اور مسلم سرحدوں کی حفاظت امور حسبیہ میں سے ہیں، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام کی حفاظت ان سب میں سے اہم ترین امر ہے۔ اسی لئے مومنوں کی جان و مال کی حفاظت کیلئے فوج تیار کرنا اور ان کے امور کی انجام دہی کیلئے ادارے قائم کرنا بہت ضروری ہے۔[62]

[62] اندیشہ حکومت، شمارہ 2، مرداد 1378، صفحہ 4

ولایت فقیہ پہ روایات:

روایاتِ اہل بیتؑ فقیہ کی ولایت عامہ کی اہم ترین ادلّہ میں سے شمار ہوتی ہیں، جو ابتدا سے لیکر آج تک ولایت فقیہ کے معتقد فقہاء کے یہاں مورد ثبوت قرار پائی ہیں۔

اسحاق ابن یعقوب نے حضرت امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ الشریف) کی خدمت اقدس میں ایک خط لکھا جس میں چند مسائل پوچھے، اس توقیع کے بعض حصوں سے بہت سے فقہاء نے فقیہ کی ولایت عامہ پر استدلال کیا ہے۔

مولاناصاحب الزمان(عج) ''فامّا الحوادث الواقعة فارجعوا فیهاالیرواةحدیثنا _ فانهم حجتی علیکم وانا حجة الله علیهم''

محمد ابن محمد ابن عصام نے محمد ابن یعقوب سے اور وہ اسحاق ابن یعقوب سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں:

میں نے محمد ابن عثمان عمری سے کہا میرا یہ خط امام زمانہ (عج) تک پہنچادیں اس میں میں نے اپنی مشکلات کے بارے میں سوالات پوچھے ہیں تو امامؑ کی طرف سے توقیع صادر ہوئی:

خدا آپ کا بھلا کرے اور آپ کو ثابت قدم رکھے۔ پیش آنے والے واقعات میں ہماری احادیث نقل کرنے والوں کی طرف رجوع کرو، وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان پر حجت ہوں۔[63]

ولایت عامہ کے اثبات کیلئے یہ واضح ترین روایت ہے اس روایت سے استدلال کرنے والوں نے عام طور پر اس کے دوسرے جملے " فانهم حجتی علیکم و انا حجة الله علیهم " سے تمسک کیا ہے، اگرچہ بعض فقہاء مثلاً امام خمینیؒ نے پہلے جملہ '' اما الحوادث الواقعة فارجعوا فیها الی رواة حدیثنا'' سے بھی استدلال کیا ہے۔

---

[63] کمال الدین، جلد2، باب 45، حدیث 4 صفحہ 483_ الغیبة، شیخ طوسي، صفحہ 290، 293 دیگر سب کتابوں میں انہیں دو کتابوں سے نقل کی گئی ہے_ 182

امام خمینیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"حوادث واقعہ" سے مراد وہ اجتماعی مشکلات اور مسائل ہیں جو مسلمانوں کو پیش آتے تھے اور انہوں نے بطور کلی سوال کیا کہ اب ہمارا آپ سے رابطہ نہیں ہو سکتا لہذا ان اجتماعی مسائل کا کیا کریں؟ ہمارا فریضہ کیا ہے؟ یا چند مسائل کا ذکر کیا اور کہا: ان مسائل میں ہم کس کی طرف رجوع کریں؟ ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بطور کلی سوال کیا ہے اور حضرت امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ الشریف) نے اسی سوال کے مطابق جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حوادث و مشکلات کے وقت ہمارے رواۃ یعنی فقہاء کی طرف رجوع کرو۔ [64]

مقبولہ عمر ابن حنظلہ

محقق کرکی نے کتاب "صلوۃ الجمعۃ" میں اور محقق نراقی، صاحب جواہر اور شیخ انصاری نے "کتاب القضائ" میں اور دوسرے بہت سے فقہاء نے "فقیہ کی ولایت عامہ" پر عمر ابن حنظلہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے۔

عمر ابن حنظلہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے ان دو شیعہ افراد کے متعلق پوچھا جو قرض یا میراث کے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کیلئے سلطان یا قاضی کے پاس جاتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا ان کے لئے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: جو ان کے پاس حق یا باطل فیصلہ کرانے جاتا ہے وہ گویا طاغوت کے پاس فیصلہ کروانے کیلئے جاتا ہے اور جو وہ اس کے حق میں فیصلہ دیتا ہے اگرچہ صحیح ہی کیوں نہ ہو تب بھی اس نے حرام کھایا ہے کیونکہ اس نے اسے طاغوت کے حکم سے لیا ہے، جبکہ خدا نے طاغوت کے انکار کا حکم دیا ہے۔ خدا فرماتا ہے: وہ چاہتے ہیں اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے راوی کہتا ہے میں نے پوچھا: پھر وہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: اس کی طرف رجوع کریں جو تم میں سے ہماری احادیث کو نقل کرتا ہے، ہمارے حلال و حرام میں غور و فکر کرتا ہے اور ہمارے احکام کو پہچانتا ہے پس اسے حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بنائیں میں نے اسے تم پر حاکم قرار دیا ہے_ پس

---

[64] ولایت فقیہ صفحہ 69

جب وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور پھر اس فیصلے کو قبول نہ کیا جائے تو گویا قبول نہ کرنے والے نے خدا کے حکم کو خفیف شمار کیا ہے اور ہمیں جھٹلایا ہے اور جو ہمیں جھٹلائے اس نے خدا کو جھٹلایا ہے اور خدا کو جھٹلانا اس سے شرک کرنے کے مترادف ہے۔[65]

مشہورہ ابی خدیجہ:

شیخ طوسیؒ امام صادقؑ کے ایک قابل اعتماد صحابی جناب ابی خدیجہ سے درج ذیل روایت کو نقل کرتے ہیں اور اس روایت سے بھی امور عامہ میں فقیہ کی ولایت کو ثابت کیا گیا ہے۔

ابی خدیجہ کہتے ہیں: مجھے امام صادق نے اپنے ماننے والوں کے پاس بھیجا اور فرمایا:

ان سے کہہ دو کہ جب تمھارے درمیان کوئی نزاعی معاملہ ہو جائے یا لین دین کے معاملہ میں کوئی تنازع ہو جائے تو اسے حل کرنے کیلئے خبر دار کسی فاسق حاکم کے پاس مت جانا اپنے درمیان ایک ایسے شخص کو مقرر کرو جو ہمارے حلال اور حرام سے واقف ہو، میں اسے تم پر حاکم و قاضی مقرر کرتا ہوں خبر دار اپنے جھگڑے لیکر فاسق و فاجر حاکم کے پاس مت جانا۔[66]

عظیم فقیہ شیخ مرتضی انصاریؒ معتقد ہیں کہ قاضی کو منصب قضاوت پر قرار دینا قاضی کے دائرہ اختیارات کو صرف جھگڑوں کا فیصلہ کرنے تک محدود نہیں کرتا اور ائمہ معصومینؑ کے زمانہ میں منصب قضاوت وسیع تر اختیارات کا حامل ہوتا تھا، قاضی بہت سے امور عامہ کے انتظام کا ذمہ دار ہوتا تھا لہذا یہ روایت امور عامہ میں فقیہ کی ولایت کو ثابت کرتی ہے اور ہمارے زمانے کی اصطلاحی قضاوت تک محدود نہیں ہے۔

لفظ قاضی سے عرفاً ذہن میں اس شخص کا تصور آتا ہے جس کا حکم تمام شرعی مسائل میں نافذ العمل ہے، جیسا کہ قضاوت کے حالات سے معلوم ہے، خصوصاً سلاطین ظلم و جور کے مقرر کردہ وہ قاضی جو ائمہ معصومین کے دور میں موجود تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقیہ امور عامہ کا بھی ذمہ دار ہے مثلاً موقوفات، یتیموں، دیوانوں اور غائب افراد کے اموال وغیرہ کیونکہ عرفاً یہ تمام قاضی کے فرائض

---

[65] وسائل الشیعہ، جلد 27 صفحہ 136، 137، باب 11، از ابواب صفات قاضی، حدیث 1

[66] وسائل الشیعہ جلد 27، صفحہ 139، باب 11 از ابواب صفات قاضی حدیث 6

میں شامل ہیں۔ یاد رہے: امام علیہ السلام کے صرف اس جملہ "انی قد جعلتہ علیکم قاضیاً "سے سیاسی ولایت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اور وہ جو شیخ انصاری نے کہا ہے وہ قضاوت کے علاوہ امور حسبیہ میں ولایت ہے۔ اس بناپر ولایت عامہ پر مقبولہ عمر ابن حنظلہ کی دلالت مشہورہ ابی خدیجہ کی دلالت سے واضح اور روشن تر ہے، کیونکہ اس میں فقیہ کو" منصب حکومت" پر بھی مقرر کیا گیا ہے جبکہ مشہورہ ابی خدیجہ میں صرف منصب قضاوت پر مقرر کیا گیا ہے، البتہ روایت ابی خدیجہ میں سلطان کی طرف رجوع کرنے کی ممانعت اس بات کی دلیل ہے کہ شیعوں کو اس قسم کے امور میں بھی سلطان کی بجائے فقیہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگرچہ مقبولہ عمر ابن حنظلہ کی طرح اس کی دلالت اس قدر واضح نہیں ہے۔

عمر ابن حنظلہ اور ابی خدیجہ کی روایات میں امام نے فقیہ کیلئے "منصب" قرار دیا ہے اور عمر ابن حنظلہ کی روایت میں بیان کئے گئے منصب کا دائرہ اختیار بہت وسیع ہے کیونکہ اس میں فقیہ کو منصب "حاکمیت" پر مقرر کیا گیا ہے اور ابی خدیجہ کی روایت میں منصب قضاوت پر اگرچہ مشہورہ ابی خدیجہ میں بھی قضائی اور حکومتی دونوں قسم کے امور میں شیعوں کو فاسقوں کی طرف رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ حکومتی امور میں بھی شیعوں کو" فقیہ عادل" کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ فقیہ عادل کا ولایت کی مختلف اقسام پر فائز ہونا، جن کا ان دو روایات سے استفادہ ہوتا ہے، امام علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ مشروط نہیں ہے جبکہ اس کے برعکس وکالت موکل کی وفات کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے چونکہ بعد والے امام اور معصوم نے اس منصب کو ختم نہیں کیا ہے لہذا فقیہ عادل اس منصب ولایت پر باقی ہے۔

چند ابہامات:

ان دو روایات میں موجود" انتصاب" کے متعلق کچھ ابہامات اور سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں

۱۔ شیعہ معتقد ہیں کہ امام صادقؑ اور ان کے بعد ان کے معصوم فرزند، امت کے امام ہیں، لہذا امام معصوم کے ہوتے ہوئے فقیہ عادل کو ولایت پر منصوب کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ جس

زمانہ میں امام معصوم موجود ہیں اور ولایت عامہ کے حامل ہیں۔ کوئی دوسرا شخص یا افراد ان کی طرف سے ولایت عامہ کے حامل ہوں۔

جواب: امام معصوم کی موجودگی میں کسی کو ولایت پر منصوب کرنا اسی طرح ہے، جس طرح کوئی صاحب اختیار حکمران دوسرے شہروں میں اپنے نمایندے مقرر کرتا ہے۔ کیا مسلمانوں کے امور کے انتظام کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے دور دوسرے شہروں میں اپنے نمائندے نہیں بھیجے تھے؟ امیر المؤمنینؑ کو یمن بھیجا تھا یا خود امیر المؤمنین نے مالک اشترؒ کو مصر اور چند دوسرے افراد کو مختلف علاقوں کا والی اور حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ بنابریں اس میں کیا حرج ہے کہ امام صادقؑ اپنے زمانہ میں مومنین کے امور کی سرپرستی کیلئے جو آپؑ سے زمینی فاصلے پہ رہتے ہیں اور تقیہّ یا طولانی سفر کی وجہ سے آپ کے پاس نہیں آسکتے۔ ایک فقیہ عادل کو مقرر کریں اور اپنی طرف سے اسے امت پر ولایت عطا کریں؟

۲۔ خود امام صادقؑ طواغیت زمانہ کی وجہ سے امت پر ولایت عامہ کا اجرا نہیں کر سکے تو کیسے مان لیا جائے کہ ان کی طرف سے مقرر کردہ شخص یعنی فقیہ عادل "ولایت عامہ" کا حامل ہے؟

جواب: ولایت دوسروں کے امور میں جواز اور اولویت تصرف کا نام ہے۔ ولایت پر منصوب کرنے کا معنی اس تصرف کو قانونی اور شرعی جواز عطا کرنا ہے۔ فقیہ عادل کو ولایت پر منصوب کرنے کا معنی یہ ہے کہ صاحب ولایت اور وہ ذات جس کے ہاتھ میں امر ولایت اور اس کی مشروعیت کا اختیار ہے کی طرف سے فقیہ عادل ان تصرفات میں زیادہ حق رکھتا ہے اور اس قسم کے تصرفات پر اس کی ولایت مشروع اور حق ہے، چاہے یہ تصرفات قضاوت اور امور حسبیہ میں ہوں یا امت کی سرپرستی اور تمام امور عامہ تک اس کا دائرہ اختیار وسیع ہو۔

ولایت پر منصوب ہونا، اور جسے منصوب کیا گیا ہے ولایت کے عملی کرنے میں اس کے ہاتھوں کا کھلا ہونا، دو مختلف چیزیں ہیں عملی طور پر ولایت کو بروئے کار لانا اور اس سے متعلقہ امور کو انجام دینا وسائل اور امکانات کے تابع ہے۔ کبھی ولایت کے اصلی حامل یعنی امام معصوم کیلئے ولایت کے اعمال اور ذمہ داریوں کو بروئے کار لانے کیلئے ماحول ساز گار نہیں ہوتا اور اس کی شرائط و امکانات فراہم نہیں

ہوتے لیکن اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ امام کی ولایت ختم اور لغو ہو گئی ہے کیونکہ منصب ولایت پر فائز ہونا اور خارج میں اس کا عملی وجود دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ علاوہ بریں امام کے زمانہ میں ولایت کو بروئے کارلانے کی راہیں کلی طور پر مسدود نہیں تھیں۔ یعنی مجبور اور مبسوط الید ہونا دو نسبی امر ہیں، امام کی طرف سے مقرر کردہ شخص اگرچہ اس حالت میں نہیں تھا کہ وہ شیعوں کے امور عامہ کی سرپرستی کرے لیکن ان کے امور قضائی اور امور حسبیہ کی سرپرستی کرنے کی قدرت رکھتا تھا۔ ان دو روایات سے پتہ چلتا ہے کہ امام فقیہ عادل کیلئے ولایت عامہ کو ثابت سمجھتے تھے، اور اسے اپنی طرف سے مقرر فرماتے تھے۔ اب اس ولایت کو بروئے کارلانے میں فقیہ کی بے بسی اور اختیار ایک دوسرا امر ہے جو حالات و شرائط کے تابع ہے۔

۳۔ امور مسلمین کی ولایت پر سب فقہاء کو منصوب کرنا ہرج و مرج اور اختلال نظام کا باعث بنتا ہے۔

جواب: ولایت پر منصوب ہونے اور عملی طور پر افعال و اعمال کو بجالانے میں واضح فرق اور ہر ایک کی اپنی مخصوص شرائط اور خصوصیات ہیں، فقیہ کی ولایت انتصابی کا معنی یہ ہے کہ ہر جامع الشرائط فقیہ منصب ولایت و نیابت کا حامل ہے اور اس کے متعلقہ امور میں اس کے احکام اور تصرفات، شرعی لحاظ سے معتبر ہیں اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہر وہ مورد جس میں "ولایت فقیہ" کے حکم کی ضرورت ہو اس میں تمام فقہاء اپنی نظر دیں اور حکم صادر کردیں، جس طرح ایک شہر میں اگر پچاس قاضی موجود ہوں اور تحقیق کیلئے کیس کی فائل ایک کے پاس آئے تو دوسرے قاضی اس میں مداخلت نہیں کرتے اور ایک قاضی کا اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لینا دوسروں کو فیصلہ صادر کرنے سے روک دیتا ہے۔ اسی طرح فقیہ عادل کا ولایت کا حامل ہونا ذمہ داری کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے اور لوگوں پر ایک فریضہ عائد ہو جاتا ہے، لوگ پابند ہیں کہ اپنے معاملات میں فقیہ عادل کی طرف رجوع کریں، طاغوت سے منہ پھیر لیں، اور اسلامی معاشرہ کے امور کی باگ ڈور کسی غیر اسلام شناس کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ فقیہ عادل اور امین کے ہاتھ میں دیں۔

فقیہ عادل کا بھی یہ فرض ہے کہ جب شرائط مکمل ہوں، حالات ساز گار ہوں اور لوگ اس کی طرف رجوع کریں تو وہ اس الٰہی فریضہ کو پوری طرح نبھائے۔ اب اگر صاحب ولایت، فقیہ کی طرف لوگ رجوع کرتے ہیں یا اہل حل وعقد کے انتخاب کے ذریعہ لوگوں کے امور کی سرپرستی اس کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے تو دوسرے فقہاء کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

بنابریں تمام جامع الشرائط فقہاء منصب ولایت کے حامل ہیں اور ایک فقیہ عادل کے امور کی سرپرستی اپنے ذمہ لینے سے دوسرے فقہاء کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، دوسرے لفظوں میں ہر فقیہ کے کسی امر میں تصرف کا جواز اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ دوسرا کوئی فقیہ اس کام میں اپنی ولایت کو بروئے کار نہ لا رہا ہو۔ اس صورت میں کسی قسم کا اختلال نظام لازم نہیں آتا، اختلال نظام اس وقت لازم آتا ہے جب ولایت کے عہدہ پر فائز تمام فقہاء عملی اقدامات شروع کر دیں۔

ولایت فقیہ کی تائید میں مزید روایات

مذکورہ بالا روایات کے علاوہ، دوسری روایات جن سے استدلال کیا گیا ہے البتہ دلالت اور سند کے لحاظ سے یہ اُن روایات کی مثل نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود فقیہ کی ولایت عامہ کی تائید کے عنوان سے ان سے تمسک کیا جا سکتا ہے۔

1_ صحیحہ قدّاح:

قداح عبداللہ ابن میمون امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے فرمایا: "... بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں انبیا کا ورثہ درہم و دینار نہیں ہوتے بلکہ ان کا ورثہ " علم " ہے، جس نے اس سے کچھ پالیا گویا اس نے بہت بڑا حصہ لے لیا"۔[67]

اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام روای "ثقہ" ہیں۔ بعض فقہا مثلاً" عوائد الایام" میں ملا احمد نراقیؒ اور ولایت فقیہ میں امام خمینیؒ نے ولایت فقیہ کے اثبات کیلئے اس روایت سے تمسک کیا ہے۔

---

[67] کافی جلد 1، صفحہ 42، باب ثواب العالم والمتعلم حدیث 1

اس روایت سے استدلال کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے جملہ "**العلماء ورثة الانبیا**" کے مطابق فقہا اور علمائے دین، رسول خدا (ص) کی تمام قابل انتقال خصوصیات میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہِ وَسَلَّم کے وارث ہیں اور ان خصوصیات اور ذمہ داریوں میں سے ایک " امت کی سرپرستی اور حاکمیت " بھی ہے۔ علماء کیلئے انبیاء کی وراثت صرف علم تک محدود نہیں ہے کیونکہ یہ وراثت مطلق ہے، صرف وہ خصوصیات جو کسی خاص دلیل کے ذریعہ مقام نبوت کے ساتھ مخصوص ہیں وراثت میں نہیں آئیں گئیں۔

۲۔ مرسلہ صدوق:

شیخ صدوق نے اپنی مختلف کتب میں اس روایت کو نقل کیا ہے:

امیر المؤمنین ؑ فرماتے ہیں: رسول خدا (ص) نے تین مرتبہ فرمایا: اے پروردگار میرے خلفاء پر رحم فرما۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول (ص) آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: وہ افراد جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور سنت کو نقل کریں گے۔[68]

شیخ صدوق نے اپنی متعدد کتب میں اس روایت کو معصوم کی طرف نسبت دی ہے اور بطور مرسل نقل کیا ہے۔ مراسیل صدوق بہت سے علماء کیلئے قابل اعتبار ہیں خصوصاً اگر انہیں بطور جزم معصوم کی طرف نسبت دیں۔

مثلاً صاحب جواہر، ملا احمد نراقی، صاحب عناوین میر عبد الفتاح مراغی، آیت اللہ گلپائیگانی اور امام خمینیؒ نے ولایت فقیہ کے اثبات کیلئے اس روایت سے استدلال کیا ہے

ا: رسول خدا (ص) وحی، اس کے ابلاغ، عصمت اور علم الہی جیسی خاص صفات سمیت قضاوت، تنازعات کے فیصلے اور اسلامی معاشرے کے امور کی سرپرستی ایسی خصوصیات کے بھی حامل تھے، آنحضرت (ص) کی بعض خصوصیات دوسروں کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ قضاوت اور اسلامی معاشرہ کی سرپرستی انہی خصوصیات میں سے ہیں جو دوسروں کی طرف منتقل ہو سکتی ہیں۔

---

[68] عیون اخبار رضا، جلد 2، صفحہ 37، باب 31، حدیث 94، من لایحضرہ الفقیہ، جلد 4، صفحہ 420، معانی الاخبار، صفحہ 374

۲ : اس روایت کی رو سے آنحضرت(ص) نے ایک گروہ کو اپنے خلفاء کے عنوان سے مورد لطف و دعا قرار دیا ہے اس گروہ کیلئے آنحضرت(ص) کی جانشینی، قابل انتقال صفات میں ہے اور ان صفات میں امت کے امور کی سرپرستی شامل ہے۔

۳: "خلفـــائي" کی تعبیر مطلق ہے اور ائمہ معصومین ؑمیں منحصر نہیں ہے بنابریں خلفاء بلاواسطہ ائمہ ؑ اور خلفاء بلواسطہ علما دونوں اس میں شامل ہیں۔

۴: جملہ "**الذين يأتون من بعدى يروون حديثى و سنّتى** " سے مراد عام راوی اور محدثین نہیں ہیں بلکہ وہ راوی مراد ہیں جو روایات میں تفقہ اور سمجھ بوجھ بھی رکھتے ہوں، پس یہ تعبیر صرف امت کے فقہا اور علماء کی شان میں ہے نہ کہ ہر روایت کرنے والے کی شان میں۔

۳۔ "غرر الحکم و درر الکلم "میں امیر المومنینؑ نے فرمایا:

"العلماء حُکّامٌ على الناس"[69]

علماء لوگوں پر حاکم ہیں

اسی مضمون کی ایک روایت ک "کنزالفوائد" میں امام صادقؑ سے بھی نقل کی ہے

الملوك حُكّامٌ على النّاس وا لعلماءُ حُكّامٌ على الملوك [70]

بادشاہ لوگوں پر حاکم ہوتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر حاکم ہوتے ہیں

---

[69] غرر الحکم، آمدی جلد 1 صفحہ 137و506

[70] کنزالفوائد جلد2 صفحہ 33

۴۔ ابن شعبہ حرانی نے "تحف العقول" میں نقل کیاہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا:
تم سب سے زیادہ مصیبت زدہ ہو اگر کچھ شعور ہو تو جان لو کہ تمھارے مقام و مرتبہ پر تسلط قائم کر لیا گیاہے۔ امور کی تدبیر اور احکام کا اجراان علماء ربانی کے ہاتھ میں ہو تا ہے جو خدا کے حلال و حرام کے امین ہوتے ہیں پس تم سے یہ مقام و مرتبہ چھین لیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے حق سے منہ پھیر لیا، واضح دلیل آنے کے باوجود تم نے سنت میں اختلاف کیا، اگر تم تکلیف پر تھوڑا سا صبر کر لیتے اور خدا کی راہ میں مصائب برداشت کرتے تو امور الہی تمہاری طرف پلٹا دیئے جاتے، تم ان کے سرپرست ہوتے، اور تمھاری طرف رجوع کیا جاتا، لیکن تم نے اپنا مقام و مرتبہ ظالموں کے حوالے کر دیا۔[71]

ولایت فقیہ پر عقلی دلیل

ہمارے علماء نے ہمیشہ نبوت اور امامت کی بحث میں عقلی ادلّہ سے استدلال کیا ہے " برہان عقلی" عقلی اور یقینی مقدمات سے تشکیل پاتا ہے۔

یہ مقدمات چار خصوصیات کلیت، ذاتیت، دوام اور ضرورت کے حامل ہونے چاہیں

اسی وجہ سے ان سے جو نتیجہ حاصل ہو تا ہے وہ بھی کلی، دائمی، ضروری اور ذاتی ہو تا ہے اور کبھی بھی جزئی یا افراد سے متعلق نہیں ہو تا۔ اسی وجہ سے نبوت اور امامت کے متعلق جو برہان قائم کئے جاتے ہیں وہ کسی خاص شخص کی نبوت یا امامت کے متعلق نہیں ہوتے اور نہ ہی کسی خاص فرد کی نبوت یا امامت کو ثابت کرتے ہیں۔ بنابریں ولایت فقیہ کے مسئلہ میں بھی وہ عقلی دلیل جو خالصۃً عقلی مقدمات سے تشکیل پاتی ہے جامع الشرائط فقیہ کی اصل ولایت کو ثابت کرتی ہے اور یہ کہ کونسا "فقیہ جامع الشرائط" اس ولایت کا حامل ہو؟ یہ ایک جزئی اور فردی امر ہے لہذا اس کا تعیّن عقلی دلیل سے نہیں ہو گا[72]

---

[71] تحف العقول عن آل الرسول (ص) جلد 1، صفحہ 238

[72] ولایت فقیہ، عبد اللہ جوادی آملی، صفحہ 151

دلیل عقلی کی دو اقسام ۱) عقلی محض ۲) عقلی ملفّق

دلیل عقلی محض وہ دلیل ہے جس کے تمام مقدمات خالصۃً عقلی ہوں اور ان میں کسی شرعی مقدمہ سے استفادہ نہ کیا گیا ہو

دلیل عقلی ملفّق یا مرکب وہ دلیل عقلی ہے جس کے بعض مقدمات شرعی ہوں مثلاً آیات یا روایات یا کسی شرعی حکم سے مدد لی گئی ہو اور اس برہان کے تمام مقدمات خالصۃً عقلی نہ ہوں۔ ولایت فقیہ کے باب میں ان دونوں قسم کی عقلی ادلّہ سے استدلال کیا گیا ہے

ولایت فقیہ کی عقلی ادلّہ کے بیان کرنے سے پہلے دو نکات کا ذکر کرنا ضروری ہے

اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ عقلی دلیل کا نتیجہ ایک شرعی حکم ہو کیونکہ عقل بھی شرعی احکام کے منابع میں سے ہے اور شارع مقدس کی نظر کو کشف کر سکتی ہے۔ علم اصول میں مستقلات عقلیہ اور غیر مستقلات عقلیہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور علماء علم اصول نے بتایا ہے کہ کن شرائط پر عقل شرعی حکم کو کشف کر سکتی ہے، شرعی حکم کے استنباط میں عقلی دلیل کا بھی وہی کردار ہے جو دوسری شرعی ادلّہ کا ہے شارع مقدس کی نظر کو کشف کرنے میں عقلی دلیل کا قابل اعتبار ہونا اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے بنابریں ولایت فقیہ پر " دلیل عقلی محض" مستقلات عقلیہ کی قسم سے ہے اور مستقلات عقلیہ میں کسی نقلی دلیل سے مدد نہیں لی جاتی۔

دوسرا نکتہ: امامت اور نبوت پر قائم عقلی دلیل کی تاریخ بہت پرانی ہے لیکن ولایت فقیہ پر عقلی دلیل بعد والے ادوار میں قائم کی گئی ہے۔ محقق نراقیؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ولایت فقیہ کے اثبات کیلئے عقلی دلیل کا سہارا لیا ہے پھر ان کے بعد آنے والے فقہاء نے اسے آگے بڑھایا ہے۔ مختلف طرز کی عقلی ادلّہ کی وجہ ان کے مقدمات کا مختلف ہونا ہے اور بہت سے موارد میں ایک مشترک کبری مثلاً" قاعدہ لطف" یا "حکمت الٰہی" سے مدد لی گئی ہے۔

دلیل عقلی محض

نبوت عامہ کی ضرورت پر فلاسفہ کی مشہور برہان کو خلاصتاً اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جس کا نتیجہ "ضرورت نبوت"، "ضرورت امامت" اور "ضرورت نصب فقیہ عادل" کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہ برہان جو کہ "معاشرہ میں ضرورت نظم" کی بنیاد پر قائم ہے قانون خدا اور اسکے مجری کے ضروری ہونے کو ثابت کرتی ہے، قانون کو جاری کرنے والا پہلے مرحلہ میں نبی ہوتا ہے اس کے بعد اسکا معصوم وصی اور جب نبی اور امام معصوم نہ ہوں تو پھر "قانون شناس فقیہ عادل" کی باری آتی ہے۔

اگرچہ بو علی سینا نے اس برہان سے صرف "اثبات نبوت" اور "بعثت انبیاء کے لیے" تمسک کیا ہے۔[73]

اس برہان کے مقدمات درج ذیل ہیں:

1۔ انسان ایک اجتماعی موجود ہے اور طبیعی سی بات ہے کہ ہر اجتماع میں تنازعات اور اختلافات رونما ہوتے ہیں، اسی لئے انسانی معاشرہ نظم وضبط کا محتاج ہے۔

2۔ اجتماعی زندگی کا نظم و ضبط اس طرح ہونا چاہیے تاکہ انفرادی اور اجتماعی سعادت اور کمال کا حامل ہو۔

3۔ اجتماعی زندگی کا ایسا نظم وضبط جو ناروا اختلافات اور تنازعات سے مبرّا اور انسان کی معنوی سعادت کا ضامن ہو وہ مناسب اور شائستہ مجری قانون کے بغیر ناممکن ہے۔

4۔ خدا تعالی کی مداخلت کے بغیر تنہا انسان اجتماعی زندگی کے مطلوبہ نظم و ضبط کے قائم کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

5۔ خدائی قوانین اور معارف الہی کو انسان تک پہنچنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کو لانے اور حفاظت کرنے والا "معصوم" ہو۔

6۔ دین کامل کی تبیین اور اس کے اجرا کیلئے وصی اور امام معصوم کی ضرورت ہے۔

---

[73] الالہیات من الشفاء، صفحہ 487، 488

7۔ جب نبی اور امام معصوم نہ ہوں تو پھر مذکورہ ہدف(مطلوبہ اجتماعی زندگی اور قوانین الٰہی کا نفاذ) وحی شناس اور اس پر عمل کرنے والے رہبر کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

آیت اللہ جوادی آملی فرماتے ہیں کہ:

انسان کی اجتماعی زندگی اور اس کا انفرادی اور معنوی کمال ایک طرف تو ایسے الٰہی قانون کا محتاج ہے جو انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے ہر قسم کے ضعف و نقص اور خطا و نسیان سے محفوظ ہو اور دوسری طرف اس قانون کامل کے نفاذ کیلئے ایک دینی حکومت اور عالم و عادل حکمران کی ضرورت ہے، انسان کی انفرادی یا اجتماعی زندگی ان دو کے بغیر یا ان میں سے ایک کے ساتھ متحقق نہیں ہو سکتی۔

اجتماعی زندگی میں ان دو کا فقدان معاشرہ کی تباہی و بربادی اور فساد و خرابی کا باعث بنتا ہے جس پر کوئی بھی عقلمند انسان راضی نہیں ہو سکتا یہ عقلی برہان کسی خاص زمانہ یا مقام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ زمانہ انبیائؑ بھی اس میں شامل ہے کہ جس کا نتیجہ ضرورت نبوت ہے اور آنحضرت(ص) کی نبوت کے بعد والا زمانہ بھی اس میں شامل ہے کہ جس کا نتیجہ ضرورت امامت ہے اسی طرح امام معصوم کی غیبت کا زمانہ بھی اس میں شامل ہے کہ جس کا نتیجہ "ضرورت ولایت فقیہ" ہے۔[74]

[74] ولایت فقیہ صفحہ 151، 152

دلیل عقلی ملفق

ولایت فقیہ کی عقلی دلیل کو بعض شرعی دلائل اور مقدمات عقلیہ کی مدد سے بھی قائم کیا جاسکتا ہے، آیت اللہ بروجردی درج ذیل عقلی اور نقلی مقدمات کی مدد سے فقیہ کی ولایت عامہ کو ثابت کرتے ہیں:

۱۔ معاشرہ کا رہبر ایسی ضروریات کو پورا کرتا ہے جن پر اجتماعی نظام کی حفاظت موقوف ہوتی ہے۔

۲۔ اسلام نے ان عمومی ضروریات کے متعلق خاص احکام بیان کئے ہیں اور ان کے اجرا کی ذمہ داری مسلمانوں کے حاکم اور والی پر عائد کی ہے۔

۳۔ صدر اسلام میں مسلمانوں کے قائد اور راہنما رسول خدا(ص) تھے اور ان کے بعد آئمہ معصومینؑ اور معاشرے کے امور کا انتظام ان کا فریضہ تھا۔

۴۔ سیاسی مسائل اور معاشرتی امور کی تدبیر و تنظیم اس زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ ان مسائل کا تعلق ہر زمانہ اور ہر جگہ کے مسلمانوں سے ہے۔ آئمہ معصومینؑ کے دور میں شیعوں کے پراگندہ ہونے کی وجہ سے آسانی کے ساتھ آئمہؑ تک ان کی دسترسی ممکن نہیں تھی۔ اس کے باوجود آئمہؑ نے ان کے امور کی تدبیر وانتظام کیلئے نائبین کو مقرر کیا تاکہ شیعوں کے امور مختل نہ ہوں۔ ہم یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ ایک طرف زمانہ غیبت میں آئمہ معصومینؑ نے لوگوں کو طاغوت کی طرف رجوع کرنے سے منع کیا ہو اور دوسری طرف سیاسی مسائل، تنازعات کے فیصلے اور دوسری اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کسی کو مقرر بھی نہ کیا ہو۔

۵۔ آئمہ معصومینؑ کی طرف سے والی اور حاکم کے تقرر کے ضروری ہونے کو دیکھتے ہوئے فقیہ عادل اس منصب کیلئے متعین ہے کیونکہ اس منصب پر غیر فقیہ کے تقرر کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، پس صرف دو احتمال ممکن ہیں۔

الف: آئمہ معصومینؑ نے اس سلسلہ میں کسی کو مقرر نہیں کیا صرف انہیں طاغوت کی طرف رجوع کرنے سے منع کیا ہے۔

ب: اس ذمہ داری کیلئے فقیہ عادل کو مقرر کیا ہے۔

مذکورہ بالا چار مقدمات کی رو سے پہلا احتمال یقینی طور پر باطل ہے، پس قطعی طور پر فقیہ عادل کو ولایت پر منصوب کیا گیا ہے۔[75]

آیت اللہ جوادی آملی اس "دلیل عقلی مرکب" کے بارے مین فرماتے ہیں کہ :

دین اسلام کا قیامت تک باقی رہنا ایک قطعی اور واضح سی بات ہے۔ زمانہ غیبت میں اسلام کا تعطل کا شکار ہو جانا، عقائد، اخلاق اور اعمال میں اسلام کی ابدیت کے منافی ہے۔ اسلامی نظام کی تأسیس، اس کے احکام اور حدود کا نفاذ اور دشمنوں سے اس دین مبین کی حفاظت ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی مطلوبیت اور ضروری ہونے میں کسی کو تردید و شک ہو، حدود الہی اور لوگوں کی ہتک حرمت، لوگوں کی ضلالت و گمراہی اور اسلام کا تعطل کا شکار ہو جانا کبھی بھی اللہ تعالی کیلئے قابل قبول نہیں ہے۔

اسلام کے سیاسی اور اجتماعی احکام کی تحقیق و بررسی اور نفاذ جامع شرائط فقیہ کی حاکمیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ان امور کو دیکھتے ہوئے عقل کہتی ہے کہ یقیناً خداوند کریم نے عصر غیبت میں اسلام اور مسلمانوں کو بغیر سرپرست کے نہیں چھوڑا۔[76]

نتیجہ:

مذکورہ بالا تمام ابحاث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک دین بمعنیٰ نظامِ حیات ایک مکمل دین ہے، جس میں سیاست و معاشرت جزوِ دین ہے۔ یہ عقل و آیات و روایات اور فقہائے کرام کے فرامین سے ثابت شدہ امر ہے۔ زمانہِ خاتم النبیین ﷺ ہو یا زمانہ آئمہِ معصومینؑ اسلام ایک مکمل سیاسی و سماجی نظام کا حامل ہے اور اس کے نفاذ سے ہی اسلام کا حقیقی نفاذ اور انسانیت کی فلاح ممکن ہے۔ زمانہِ غیبتِ معصومؑ میں یہ اصول قائم و دائم ہے اور اسلام کے نفاذ کے لیے ایک سیاسی نظام و حکومت کا قیام ایک عقلی و بدیہی امر ہے جو کہ فقیہِ جامع الشرائط کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسلام کی تمام تر تعلیمات آفاقی

---

[75] البدر الزاہر فی صلاۃ الجمعۃ والمسافر 73 ، 78

[76] ولایت فقیہ ص167

اور زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہیں، جن میں سے نظامِ اسلامی کا قیام اور حکومتِ اسلامی کا نفاذ ایک اہم ترین ستون ہے، جس ستون کے قیام سے دین معاشرے میں قائم ہوتا ہے اور اگر یہ قائم نہ ہو تو دین کا قیام ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے ہر سرزمین جہاں پہ مسلمین و مومنین آباد ہیں وہاں اسلام کے نظام یعنی نظامِ ولایت و امامت کا نفاذ ہی اللہ و رسول ﷺ و اہل بیتؑ کا منشا ہے اور کسی مومن کو زمانۂ غیبت میں بھی طاغوت کی پناہ لینے اور اسکو قبول کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔